رضیہ نور

قاضی عیاض اور ان کی کتاب الشفا

ایک مطالعہ

قاضی عیاضؒ۔سوانح حیات و آثار

آپؒ کا نام عیاض، کنیت ابوالفضل اور لقب عالم المغرب ہے۔آپؒ کا سلسلہ نسب یوں ہے۔

امام حافظ ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض بن عمرو بن موسیٰ بن عیاض بن محمد بن عبداللہ بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی السبتی (۱)

محققین کے نزدیک قاضی عیاضؒ کے نسب میں اختلاف پایا جاتا ہے۔جن میں ابوعبداللہ محمد بن جابر الوادی امام ابوالقاسم الملاحیؒ (۲) شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (۳) شہاب الدین احمد بن مقریؒ (۴) نے آپؒ کے نسب میں اختلاف کا ذکر کیا ہے۔

۱۔ کحالہ، عمر رضا۔ معجم المؤلفین۔ بیروت لبنان: داراحیاء التراث العربی، س۔ن: ج ۷، ص ۱۶۔ الذہبی۔ تذکرۃ الحفاظ: ج ۴، ص ۱۳۰۴

۲۔ المقری، شہاب الدین۔ ازھار الریاض فی اخبار عیاض: ج ۱، ص ۳۳

۳۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ۔ بستان المحدثین/ مترجم: مولانا عبدالسمیع۔ آرام باغ کراچی: ایچ ایم سعید، ۱۳۳۴ھ/ ۱۹۱۵ء: ص ۲۲۴

۴۔ المقری، شہاب الدین۔ ازھار الریاض فی اخبار عیاض: ج ۱، ص ۲۵

عیاض عین کے نیچے زیر اور ی پر زبر کے ساتھ ہے۔(۱)

قاضی عیاض یحصب سے منسوب ہیں، اس لیے یحصبی کہلائے۔ یعنی یہ تینوں حالتوں میں پڑھا جاتا ہے۔ یہ قبیلہ حمیر سے ہے۔(۲)

قاضی عیاضؒ سبتی کے نام سے بھی معروف ہیں سبتی کی نسبت سبتہ کی طرف ہے، جسے انگلش میں (Ceuta) کہتے ہیں۔(۳)

پس قاضی عیاض عربی الاصل ہیں، ان کا نسب امام مالک بن انس سے ملتا ہے۔ ان کا خاندان اندلس کا رہنے والا تھا۔ انہوں نے پھر اندلس سے مغرب کے شہر فاس کا سفر کیا۔ قیروان میں ٹھہرے اور پھر سبتہ میں رہائش پذیر ہوئے۔ فاس اور سبتہ میں قیام کی وجہ سے لوگ قاضی عیاض کو عیاض بن موسیٰ بن عیاض الیحصبی المغربی السبتی کہہ کر پکارتے تھے۔(۴)

ولادت

قاضی عیاضؒ کے سن ولادت میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ امام نووی (۵) اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (۶) نے آپؒ کا سن ولادت نصف شعبان ۴۹۶ھ لکھا ہے۔ جب کہ ان کے علاوہ

۱۔ ابن خلکان، ابوالعباس شمس الدین احمد بن محمد۔ وفیات الاعیان وأنباء ابناء الزمان/تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس۔ منشورات الرضی، س۔ن: ج ۲، ص ۴۸۳

۲۔ المقری، شہاب الدین۔ ازہار الریاض فی اخبار عیاض: ج ۱، ص ۲۷

۳۔ عبداللہ، ڈاکٹر، سبتہ، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، لاہور: دانش گاہ پنجاب، طبع دوم ۱۹۰۸ء: ج ۱، ص ۶۹۶

۴۔ ابن بشکوال، ابوالقاسم خلف بن عبدالملک۔ استنبول: مکتبہ نشر الثقافۃ الاسلامیہ، ۱۹۵۵ء، کتاب الصلۃ فی تاریخ ائمۃ اندلس: ج ۲، ص ۴۲۹

۵۔ النووی، یحییٰ بن شرف بن ابوذکریا، محی الدین مری۔ تہذیب الاسماء و اللغات، بیروت لبنان: دار الفکر، الطبعۃ الاولی، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء: ج ۲، ص ۳۵۷

۶۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ۔ بستان المحدثین: ص ۲۲۴

اکثر علما و محققین نے قاضی عیاض کا سن ولادت ۴۷۶ھ بتایا ہے، جن میں ابن خلکان، (۱) خیر الدین الزرکلی، (۲) اسماعیل باشا بغدادیؒ، (۳) الذہبی، (۴) احمد بن یحییٰ الضبی (۵)، کے مطابق قاضی عیاضؒ ۱۵ر شعبان ۴۷۶ھ بمطابق ۲۸ر دسمبر ۱۰۷۳ء کو سبتہ میں پیدا ہوئے اور وہیں پروان چڑھے۔ قاضی عیاضؒ فقہ میں مالکی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ (۶)

تعلیم و تعلّم

آپؒ نے سبتہ کے شہر میں علم و دین کے گھر میں پرورش پائی۔ آپؒ نے قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر حدیث اور فقہ کی تعلیم حاصل کی اور سبتہ کے علمائے وقت کے شاگرد بنے۔

اپنے وطن میں قاضی ابوعبداللہ بن عیسیٰ تیمی سے فقہ اور قضا کا علم حاصل کیا۔ اس کے علاوہ سبتہ ہی کے فقیہ ابواسحاق بن جعفر اللواتی سے بھی علم حاصل کی۔ (۷) آپؒ نے ابن عیسیٰ سے علوم الحدیث اور فقہ کا علم حاصل کیا۔ انہوں نے مؤطا امام مالک اور صحیح مسلم ان سے سنیں۔ اور ابوعبید القاسم بن سلام سے غریب الحدیث کا علم حاصل کیا اور علوم الحدیث کے

۱۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۴۸۵

۲۔ الزرکلی، خیر الدین، الأعلام قاموس التراجم الأشہر الرجال و النساء من العرب و المستعربین و المستشرقین، بیروت لبنان: دار العلم للملایین، طبعۃ الثانیۃ عشرۃ، ۱۹۹۷ء: ج ۵، ص ۲۸۲

۳۔ اسماعیل باشا البغدادی، ہدیۃ العارفین اسماء المؤمنین و آثار المصنفین، بیروت لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۹۵۱ء: ج ۱، ص ۸۰۵

۴۔ الذہبی، محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز، شمس الدین، ابوعبداللہ، العبر فی خبر من غبر، تحقیق: ابوھاج محمد السعید بن بسیونی، بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء: ج ۴، ص ۱۲۲۔ تذکرۃ الحفاظ: ج ۴، ص ۸۷۸

۵۔ الضبی، احمد بن یحییٰ بن احمد الغبی، بغیۃ الملتمس فی تاریخ رجال الاندلس، فی مدینہ مجریط: مطبع روضی، ۱۸۸۴ء: ص ۴۲۵

۶۔ الذہبی، العبر فی خبر من غبر: ج ۴، ص ۱۲۲

۷۔ المقری، شہاب الدین، ازھار الریاض فی اخبار عیاض: ج ۲، ص ۸

لیے الحاکم ابو عبداللہ سے رجوع کیا۔ اصلاح الغلط کا علم ابن قتیبہ سے سیکھا۔ مسلم بن حجاج سے طبقات، ابی عبدالرحمٰن نسائی سے الصنعا و المتروکین پڑھی اور حدیث کے تمام دوسرے علوم حاصل کیے۔ (۱) قاضی عیاضؒ کو علم حدیث سے بڑا شغف تھا۔ اس فن میں مکمل مہارت اور ادراک رکھتے تھے۔

محمد فرید واجدی لکھتے ہیں:

> قاضی عیاضؒ طلبِ علم کے لیے اندلس تشریف لے گئے۔ انہوں نے قرطبہ میں علما کی ایک جماعت سے علم حاصل کیا اور حدیث کا بڑا ذخیرہ جمع کیا۔ حدیث شریف کی طرف ان کی بڑی توجہ تھی اور حدیث کے جمع وضبط کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ اعلیٰ درجے کی ذکاوت وفطانت اور بلند فہم وفراست کے مالک تھے۔ (۲)

ابن خلکان کا بیان ہے:

> وہ حدیث اور علومِ حدیث میں یکتائے روزگار اور امامِ وقت تھے اور حدیثوں کے ضبط وتحریر اور جمع وکتابت پر پوری توجہ مبذول کرتے تھے۔ اس لیے ان کے پاس روایات اور احادیث کا وسیع ذخیرہ تھا۔ (۳)

آپؒ تفسیر اور علومِ تفسیر، فقہ اور احکام وشرائع کے بڑے واقف کار تھے۔ علاوہ ازیں نحو، لغت، کلامِ عرب اور انساب وقائع کے بھی نامور عالم تھے۔ گویا آپؒ گوناگوں اوصاف و کمالات سے متصف، مختلف علوم وفنون کے جامع، امامِ وقت، علامہ دہر اور عالم مغرب تھے۔

ابن خلکان کا بیان ہے:

احد الأئمة الحفاظ الفقهاء المحدّثين الأدباء و تواليفه و أشعاره شاهدة

۱۔ الترابی، بشیر علی احمد، ڈاکٹر، القاضی عیاض وجهوده فی علم حدیث، بیروت لبنان: دار ابن حزم للطباعة و النشر والتوزیع، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء: ص ۲۷

۲۔ محمد فرید وجدی، دائرہ معارف القرن العشرین بیروت لبنان: دار المعرفة، الطبعة الثالثة، ۱۹۷۱ء: ج ۶، ص ۴۹۷

۳۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۴۸۵

بذالک (۱)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

خود اپنے شہر میں جو بلند مرتبہ، غیر معمولی عظمت اور عظیم الشان وقار ان کو حاصل ہوا، وہ یہاں کے کسی اور شخص کو اور نہ ان کے بعد حاصل ہوا۔ (۲)

نصف جمادی الاوّل ۵۰۷ھ کو قاضی عیاضؒ سبتہ سے اندلس روانہ ہوئے۔ اندلس کا پرانا نام قرطبہ تھا۔ قرطبہ میں پوری تن دہی سے بالخصوص حدیث کی فہم میں منہمک ہوگئے اور عبدالرحمٰن بن محمد بن عتاب، محمد بن احمد بن محمد بن رشد المعروف ابن رشد، محمد بن عبدالعزیز محمد بن تغلیبی المعروف ابن احمدین، ابوالحسنین بن سراج ابوالحسن بن مغیث، ابوالقاسم النحاس، ابو بحر الاسودی، ابوالقاسم بن بقی، ابوالولید ہشام بن احمد العواد اور دوسرے کئی قرطبہ کے علماء سے علم حاصل کیا۔ (۳) ۲۵ر محرم ۵۰۸ھ کو اندلس سے تحصیل علم کے لیے مشرق کا رُخ کیا اور اکابر اہل علم سے استفادہ کیا۔ وہاں قاضی عیاضؒ نے حافظ ابوعلی صدفی سے ملاقات کی، جن کا پورا نام قاضی شہید ابوعلی الحسین بن محمد الصدفی تھا۔ (۴)

علمی وادبی مشاغل

قاضی عیاضؒ فارغ التحصیل ہونے کے بعد ۵۱۵ھ تک تدریس کے شعبے سے منسلک رہے۔ آپؒ کے حلقہ درس سے متعدد طلبہ نے علم وفضل حاصل کیا۔

قاضی عیاضؒ خطابت کے بھی امام تھے۔ لوگ ان کے خطاب کی فصاحت و بلاغت اور شیریں کلام سے متاثر تھے۔ آپؒ جہاں کہیں درس دیتے تو ایک جم غفیر آپؒ کی مجلس میں جمع

۱۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۴۸۵

۲۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج ۲، ص ۱۳۰۵

۳۔ ابن بشکوال، کتاب الصلۃ فی تاریخ ائمۃ الاندلس: ج ۲، ص ۴۲۹۔ ۴۳۰۔ ابن فرحون، ابراہیم بن علی بن محمد، برہان الدین، دیباج المذاہب معرفۃ أعیان علماء المذاہب، تحقیق: مامون بن محی الدین الجنان، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، الطبعۃ الأولیٰ، ۱۴۱۷ھ۔ ۱۹۹۶ء: ص ۱۶۹

۴۔ الترابی، بشیر علی احمد، القاضی عیاض وجہودہٗ فی علم حدیث: ص ۲۷

ہو جاتا اور سامعین آپؒ کا کلام سن کر داد و ستائش دیتے۔ ابن خلکان نے انہیں ''کبیر الشان'' اور ''غزیر البیان'' کے نام سے یاد کیا ہے۔(۱) اور عمر رضا کحالہ نے آپؒ کو ''خطیب'' لقب سے دیا ہے۔(۲)

قاضی عیاضؒ علومِ حدیث، نحو، فقہ، کلامِ عرب اور عرب کے ایام و انساب کی معرفت میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے۔(۳) اس لیے بڑے دل آویز شعر کہتے تھے۔

یہ شعر ملاحظہ ہوں:

اقول قد جدّ ارتحالی و غردت

حدائی و زمت للفراق رکائی

و قد عمشت من کثرہ الدمع مقلشی

و صارف ھواء من موادی ترانی(۴)

میں اشعار اس وقت کہہ رہا ہوں، جب کوچ کا عزمِ صمیم ہو گیا۔ میرے بدل خوان نغمہ سرا ہو چکے ہیں اور فراق کے لیے سواریوں کو نکیل ڈالی جا چکی ہے۔ میری آنکھیں کثرتِ گریہ کی وجہ سے بینائی کھو چکی ہیں۔ اور فرطِ غم سے خانہ دل اس طرح ویران ہوا ہے کہ ساتھیوں کا خیال بھی میرے دل سے محو ہو گیا ہے۔

قاضی القضا کے عہدے

قاضی عیاض اندلسیؒ ۵۱۵ھ تک درس و تدریس سے منسلک رہے۔ ۵۱۵ھ میں قاضی عیاضؒ وطن واپس آ گئے تو ۵۱۵ھ میں ہی قاضی عیاضؒ کو قاضی القضاء کے عہدے پر فائز کر دیا گیا جہاں ان کی انتظامی صلاحیت بے حد سراہی گئی۔(۵)

۱۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۴۸۴ .

۲۔ کحالہ، عمر رضا، معجم المؤلفین: ج ۷، ص ۱۶

۳۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۴۸۳

۴۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، بستان المحدثین: ص ۲۶۴

۵۔ عیاض بن موسیٰ از نامعلوم، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: جلد ۱۴، شمارہ ۲، ص ۳۵۱

قاضی عیاض اندلسیؒ سبتہ کے ۱۶ سال قاضی رہے۔ پھر قاضی عیاضؒ کو ۵۳۱ھ صفر المظفر کے مہینے غرناطہ کا قاضی بنایا گیا۔(۱)

محمد بن حماد سبتی فرماتے ہیں:

جلس القاضی للمناظرہ و لہ نحو من ثمان و عشرین سنۃ، و ولی القضاء و لہ خمس و ثلاثون سنۃ(۲)

قاضی صاحب ۲۸ سال کی عمر میں مناظرہ کرنے لگے اور ۳۵ سال کی عمر میں منصبِ قضا پر فائز ہوئے۔

دو سال تک غرناطہ میں قاضی رہے۔ ۵۳۲ھ میں قاضی عیاضؒ دوبارہ اپنے وطن سبتہ کے قاضی مقرر ہوئے اور ۵۳۹ھ تک سبتہ کے قاضی رہے۔ پھر ۵۴۱ھ تک دای میں قضاۃ کے عہدے پر فائز رہے۔(۳)

وفات

قاضی عیاضؒ ۷ جمادی الثانی ۵۴۴ھ کو جمعہ کے دن فوت ہوئے۔ وفات کے وقت آپؒ کی عمر ۶۸ برس تھی۔ وہ مراکش میں بابِ ایلان کے قریب دفن ہوئے۔(۴) یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مذکورہ سال میں رمضان کے مہینے میں فوت ہوئے۔(۵)

قاضی عیاضؒ کی وفات کے کئی اسباب بیان کیے جاتے ہیں۔ اکثر مؤرخین کے نزدیک قاضی عیاضؒ کی موت اس وجہ سے واقع ہوئی کہ وہ مراکش سے نکالے گئے یا نکل گئے اور موحدون کی باہمی مناقشت کے باعث انہوں نے ترکِ وطن کر کے مراکش میں پناہ لی اور وہیں ان کا انتقال ہوا۔ انہوں نے عبدالمؤمن سے اجازت لی اور حضرہ، یعنی مراکش کی طرف گئے۔

۱۔ عیاض بن موسیٰ از نامعلوم، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۴، شمارہ ۲: ص ۳۵۱

۲۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج ۲، ص ۱۳۰۵

۳۔ عیاض بن موسیٰ از نامعلوم، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: جلد ۱۴، شمارہ ۲، ص ۳۵۱

۴۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج ۲، ص ۱۳۰۶

۵۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۴۸۵

آٹھ دن کی بیماری کے بعد فوت ہوئے۔(۱) دوسری رائے کے مطابق انہیں ایک یہودی نے زہر دیا۔(۲) لیکن راجح بات یہ ہے کہ وہ وطن چھوڑنے کے بعد مراکش میں بیماری و لاچاری کے عالم میں فوت ہوئے۔

اساتذہ وتلامذہ

قاضی عیاضؒ کے اساتذہ کی تعداد سو کے قریب ہے۔(۳) قاضی عیاضؒ کے اپنے شہر سبتہ کے بہت سے اساتذہ تھے۔ جن سے کسبِ فیض کیا۔ ذیل میں ان کے مشاہیر شیوخ کا اجمالی تعارف درج کیا جاتا ہے، تاکہ اندازہ ہو سکے کہ انہوں نے کیسے کیسے نادرہ روزگار ائمہ سے فیض حاصل کیا۔

۱۔ شیخ ابو علی الصدفی

علامہ صدفی کا پورا نام الامام الحافظ القاضی الشہید ابو علی الحسین بن محمد بن فیرہ بن حیون بن سکرۃ الصدفی ہے۔(۴) سرقسطہ (اندلس) کے رہنے والے تھے۔ شیخ صدفی ۴۵۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے دور کے اکابر مشائخ سے علم حاصل کیا۔ ان میں ایک نام سلیمان بن خلف الباجی (م ۴۸۴ھ) کا بھی ہے۔ علامہ صدفی نے ۴۸۱ھ میں فریضۂ حج ادا کیا۔ یہ بہت بڑے قاضی ہو گزرے ہیں۔ قاضی عیاض اندلسی نے ان سے کسبِ فیض کیا۔ قاضی صاحب کی تصانیف ان سے متاثر معلوم ہوتی ہیں۔ آپ کی تصانیف میں ان کتابوں نے شہرت پائی، ا۔

۱۔ الکتانی، فہرس الفہارس، بیروت لبنان: دار المعرفہ، س۔ن: ج ۲، ص ۱۸۵

۲۔ الکتانی، فہرس الفہارس: ج ۲، ص ۱۸۵

۳۔ عیاض بن موسیٰ لذ نا معلوم، اُردو دائرہ معارف اسلامیہ: جلد ۱۴، شمارہ ۲، ص ۳۵۱

۴۔ ابن بشکوال، کتاب الصلہ: ج ۱، ص ۱۴۳۔ الضبی، بغیۃ الملتمس: ص ۲۵۴۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج ۴، ص ۸۴۰۔ ابن العماد الحنبلی، عبدالحیٰ بن العماد، أبو الفلاح، شذرات الذہب فی اخبار من ذہب، تحقیق: محمود الأرناؤط، دمشق بیروت: دار ابن کثیر، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء: ج ۴، ص ۴۳

التعلیقۃ الکبریٰ فی الخلاف، ۲۔ کتاب المعجم ۔(۱) علامہ صدفی ۵۱۴ھ میں فوت ہوئے۔(۲)

۲۔عبدالرحمٰن بن عتاب

ابن عتاب کا پورا نام ابومحمد سند الاندلس عبدالرحمٰن بن محمد بن عتاب بن محسن الجذامی ہے۔ یہ قرطبہ میں ۴۳۳ھ میں پیدا ہوئے۔ان کا گھرانہ دینی و علمی تھا۔ان کے والد حافظ محمد بن عتاب (م ۴۶۲ھ) قرطبہ میں حدیث وفقہ کے مشہور استاد تھے۔آپ نے تفسیر، قرأت، لغت اور تصوف کے علوم میں نام پیدا کیا۔ابن عبداللہ سُنتجانی سے علم حاصل کیا۔ان کی تصانیف شفاء الصدور فی الزہد والرقاق نے بڑی شہرت پائی۔

قاضی عیاض نے علامہ ابن عتاب سے فقہ اور حدیث کا علم لیا۔ان دونوں علوم میں ابن عتاب ماہر تھے۔ان سے موطا امام مالک اور صحیح بخاری سنی۔

قاضی عیاض جب بھی اپنے استاد ابن عتاب سے روایت کرتے تو کہتے:

حدّثنا محمّد بن عبدالرّحمٰن بن عتاب الفقیہ (۳)

بہ قول ابن بشکوال عبد الرحمٰن بن محمد بن عتاب المعروف ابن عتاب جمادی الاول ۵۲۰ھ یوم سبت کو فوت ہوئے۔ان کا مقبرہ ربض (قرطبہ) میں ہے۔

۳۔ابوبکر بن العربی

یہ القاضی الحافظ الامام ابوبکر محمد بن عبداللہ بن محمد بن محمد بن عبداللہ بن احمد العربی المعافیری الاشبیلی ،ان کے والد اشبیلیہ کے بہت بڑے فقیہ تھے۔ابن العربی شعبان ۴۶۸ھ کو پیدا ہوئے۔علامہ عربی نے اپنے والد سے ادب قرآن اور قرأت سیکھی۔مشرق کا سفر علم حاصل کرنے کے لیے کیا۔رجب ۵۲۸ھ میں اشبیلیہ کے قاضی مقرر ہوئے۔انہوں نے قرآن پاک کی تین تفاسیر لکھیں۔ناسخ منسوخ پر بحث کی۔حدیث میں جامع ترمذی کی شرح

۱۔ایضاً:ص ۸۴۰۔۸۴۱

۲۔عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین: ج ۴،ص ۵۶

۳۔ابن بشکوال، کتاب الصلہ: ج ۱،ص ۳۴۲۔۳۴۳۔الضبی ،بغیۃ الملتمس ،ص ۳۴۴۔ابن العماد، شذرات الذہب: ج ۴،ص ۶۱

لکھی۔ قاضی عیاض نے ان سے بھی روایات اخذ کیں۔ صاحب معجم المؤلفین نے امام قاضی ابن العربی کی تصانیف اس طرح ذکر کی ہیں:

۱۔ شرح الجامع الصحیح للترمذی، ۲۔ المحصول فی الاصول، ۳۔ کتاب الغوامض، ۴۔ قانون التاویل فی تفسیر القرآن، ۵۔ الاحناف فی مسائل الخلاف فی الفقہ۔ ابوبکر بن عربی ربیع الاول ۵۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ باب المحروق میں فاس کے قریب دفن ہیں۔(۱)

۴۔ ابن رشد

ان کا پورا نام الفقیہ القاضی ابوالولید محمد بن احمد بن محمد بن احمد بن رشد المالکی۔ مغرب اور اندلس کے جید فقیہ تھے۔ قرطبہ کی جامع مسجد کے امام تھے۔ علامہ ابن رشد شوال ۴۵۰ھ کو پیدا ہوئے۔ ان کے اساتذہ میں محمد بن فرج الانصاری، ابومروانی بن سراج وغیرہ شامل ہیں۔ قرطبہ کے قاضی بھی رہے۔ قاضی عیاض نے ان سے فقہ کا علم و روایت اخذ کیں۔(۲) ان کی تصانیف میں فلسفہ ارسطو، تہافت التیافت، کتاب الکلیات فی الطب شامل ہے۔ ذیقعد ۵۲۰ھ میں فوت ہوئے اور قرطبہ میں ان کا مقبرہ ہے۔

۵۔ محمد بن عیسیٰ تمیمی

ان کا پورا نام ابوعبداللہ محمد بن عیسیٰ بن حسین تمیمی ہے۔ ۴۲۹ھ کو فاس میں پیدا ہوئے اور اپنے والد کے ساتھ سبتہ چلے گئے اور وہیں جوان ہوئے۔ اس لیے ابن بشکوال انہیں سبتی کہتے ہیں۔ ۵۰۳ھ میں فاس کے قاضی مقرر ہوئے۔ قاضی عیاض نے ان سے مدونہ پڑھی۔ انہوں نے علم کی خاطر بہت سفر کیے۔ عالم و فاضل تھے اور سبتہ کے نامور قضا میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ابن عیسیٰ ۵۰۴ھ میں فوت ہوئے۔(۳)

۱۔ ابن العماد، شذرات الذہب: ج ۴، ص ۱۴۱۔ ۱۴۲۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج ۴، ص ۸۷۰۔ عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین: ج ۱۰، ص ۲۴۲

۲۔ امام الضبی، بغیۃ الملتمس، ص ۴۰۔ ابن العماد، شذرات الذہب: ج ۴، ص ۶۲۔ ابن بشکوال، کتاب الصلۃ: ج ۲، ص ۵۱۸

۳۔ ایضاً، ص ۲۷

۶۔الغسانی

الشیخ الحافظ ابوعلی الحسین بن محمد بن احمد الغسانی، علامہ غسانی کا پورا نام ہے۔ جیانی کے نام سے بھی معروف تھے۔ اندلس کے محدث تھے اور قرطبہ میں رئیس المحدثین تھے۔ ان کا اصل وطن الزھرا ہے۔ ان کے باپ قرطبہ منتقل ہوئے۔ آپ محرم ۴۲۷ھ میں پیدا ہوئے۔ ابوعبداللہ محمد بن عتاب، قاضی سراج بن عبداللہ، ابوعبداللہ الباجی وغیرہ غسانی کے استاد ہیں۔ آپ لغت، شعر، انساب اور علوم عربیہ میں اپنی مثال آپ تھے۔ آپ کی تصانیف میں کتاب ''تقیید المہمل وتمییز المشکل'' نے بہت شہرت حاصل کی۔ لوگوں نے اس کتاب سے خوب استفادہ کیا۔ علامہ غسانی ۴۹۸ھ میں فوت ہوئے اور بض میں مدفون ہیں۔(۱)

۷۔قاضی ابوالولید ہشام بن احمد الوقشی

قاضی ابوولید ہشام بن احمد بن خالد بن سعید المعروف بالوقشی کی ۴۰۸ھ میں ولادت ہوئی۔ پانچویں صدی ہجری کے مشہور اندلسی عالم تھے۔ انہیں حدیث، فقہ، کلام ومنطق اور شعر و انساب پر زبردست عبور حاصل تھا۔ یہ اہل طلیطلہ میں سے تھے۔ طلبرہ میں قاضی کے عہدے پر فائز رہے۔ ان کی تصانیف میں نکت الکامل للمبرد نے شہرت پائی۔ آپؒ نے دانیہ میں ۴۸۹ھ میں وفات پائی۔(۲)

۸۔ابوبحر ابن العاص

ابوبحر سفیان ابن العباس بن احمد بن العاص بن سفیان بن علی بن عبدالکبیر بن سعید الأسدن اپنے زمانے کے اعلیٰ درجے کے محدث اور ادیب تھے۔ ۴۳۰ھ یا ۴۴۰ھ میں پیدا ہوئے۔ آپ نے ابن عبدالبر، ابوالعباس الغدری اور ابوالولید الباجی سے تعلیم وتعلّم میں استفادہ کیا۔ آپ اپنے عہد کے علما میں سے تھے۔ قرطبہ میں ۵۲۰ھ میں وفات پائی اور مقبرہ الریض میں دفن کیے گئے۔(۳)

۱۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج۴، ص۸۲۷۔۸۲۸۔ امام الضبی، بغیۃ الملتمس: ص۲۴۹

۲۔ امام الضبی، بغیۃ الملتمس: ص۷۸۰

۳۔ ابن العماد، شذرات الذہب: ج۴، ص۶۱۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج۲، ص۴۸۳۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج۴، ص۸۷۹

تلامذہ

قاضی عیاض کے تلامذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ تاہم ان میں سے جنہوں نے شہرت و مقبولیت حاصل کی، ان میں سے چند کے اسما یہ ہیں:

احمد بن عبد الرحمٰن بن مضاء اللخمی، عبد الرحمٰن بن القیصر الغرناطی، ابوالقاسم خلف بن بشکوال، احمد بن عبد الرحمٰن الصقر انصاری، احمد بن علی بن حکم المعروف بابی جعفر، یحییٰ بن محمد بن غاز، علی بن عتیق بن حوض، عمر بن احمد الانصاری، محمد بن خیر بن عمر الحتونی الاشبیلی، محمد بن حسن الجابری، عبداللہ بن احمد العصری۔ (۱) امام الضبی نے العبر میں ان تلامذہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ فقیہ ابومحمد الاشیری، عبداللہ بن محمد المغربی، ابوبکر عبداللہ بن طلحہ احمد بن عطیہ المحاربی غرناطی مالکی۔ (۲)

قاضی عیاضؒ کے چند مشہور تلامذہ کا مختصر تعارف ذیل میں پیش کیا جاتا ہے

۱۔ احمد بن عبد الرحمٰن بن مضاء اللخمی

ان کا پورا نام احمد بن عبد الرحمٰن بن محمد بن مضاء بن مھند بن عمیر اللخمی۔ (۳)

ان کی کنیت ابوالعباس ہے۔ ابن مضاء اللخمی کا اصل وطن جیان ہے، مگر وہ قرطبہ میں ۵۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ حدیث، قرأت، علوم عربیہ سیکھے۔ قاضی عیاض سے سبتہ میں ملاقات ہوئی اور ابوبکر بن عربی سے بھی استفادہ کیا۔

حدیث میں کامل الضبط اور ثقہ تھے۔ صرف ونحو کا خاص علم رکھتے تھے۔ بہت زیادہ روایتیں کرتے تھے۔ ابن مضاء ۵۹۳ھ جمادی الاول میں فوت ہوئے۔ (۴)

۲۔ خلف بن بشکوال

ابن بشکوال کا پورا نام خلف بن عبدالملک بن مسعود بن بشکوال ہے۔ ابن بشکوال کی کنیت ابوالقاسم تھی۔ لقب محدثِ اندلس ہے۔ محدث، مؤرخ، حافظ اور ادیب تھے۔ قرطبہ

۱۔ ترابی، بشیر علی احمد، ڈاکٹر، القاضی عیاض وجھودہٗ فی علم حدیث: ص ۱۶۵۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج ۴، ص ۸۷۹

۲۔ امام الضبی۔ العبر: ج ۴، ص ۱۲۲

۳۔ ابن العماد۔ شذرات الذہب: ج ۶، ص ۴۳۰

۴۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج ۴، ص ۹۰۳۔ ۹۰۴۔ ۹۲۔ عمر رضا کحالہ۔ معجم المؤلفین: ج ۴، ص ۱۰۵

میں ۵۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے والد سے روایات پر اعتماد کرتے تھے۔ ابن رشد اور ابن عربی سے بھی احادیث اخذ کیں۔ ابن بشکوال کہتے ہیں کہ جب قاضی عیاض اندلسی ۵۳۱ھ میں قرطبہ آئے تو ہم نے ان سے بہت کچھ سیکھا۔ علاوہ ازیں علامہ صدفی ۵۱۴ھ اور تمیمی ۴۹۸ھ سے بھی بہت کچھ سیکھا۔ واسع الروایۃ ابن بشکوال روایت و درایت میں حجت تسلیم کیے جاتے ہیں۔ مختلف انواع پر ۵۰ سے زائد کتابیں لکھیں۔ **الغوامض و المبهات، الفوائد المنتخبه** اور **کتاب الصله** بہت زیادہ مشہور ہیں، جن سے لوگوں نے بہت فائدہ اٹھایا۔(۱)

۳۔ عبداللہ بن طلحہ محاربی غرناطی

ان کا نام عبداللہ بن طلحہ بن احمد بن عطیہ محاربی غرناطی ہے۔ ان کی کنیت ابوبکر ہے۔ یہ مالکی مسلک تھے اور مفتی تھے۔ اپنے دادا کے بھائی غالب بن عطیہ سے فقہ کی سند حاصل کی اور محمد بن عتاب کے والد سے۔ قاضی عیاض اور کبائر سے سماع کیا۔ وہ علم و روایت کے ماہر تھے۔(۲)

۴۔ ابومحمد الأشیری

آپ کا نام عبداللہ بن محمد المقری الصنہاجی ہے۔ آپ کی کنیت ابومحمد الأشیری ہے۔ اسی طرح کریمی ہے۔ آپ مغرب کا قلعہ تھے۔ آپ حافظ، مالکی اور فقیہی تھے۔ آپ نے ابوالحسن الجذامی اور قاضی عیاض سے راویت کیا۔ آپ حدیث اس کے طریق اور لغت اور نسب کے عالم تھے۔ آپ کے بہت زیادہ فضائل ہیں۔ ان کی تصانیف میں "کتاب هذب فیه الاشتقاق الذی صنفه المبرد" مشہور ہے۔ آپ نے ۲۵/ شوال ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۶ء میں لبوۃ میں وفات پائی۔ آپ کی قبر بعلبک میں ہے۔(۳)

۱۔ ابن العماد، شذرات الذہب: ج ۶، ص ۴۳۰۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج ۴، ص ۹۰۳۔ عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین: ج ۴، ص ۱۰۵

۲۔ ابن العماد، شذرات الذہب: ج ۶، ص ۵۴۶۔ الذہبی، العبر: ج ۴، ص ۳۰۲۔ ۳۰۳

۳۔ ابن العماد، شذرات الذہب: ج ۶، ص ۳۳۰۔ الیافعی، عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان الیافعی المکی ابومحمد، مرأۃ الجنان وعبرۃ الیقظان فی معرفۃ مایعتبر من حوادث الزمان: ج ۲، بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء، ص ۲۶۲۔ الذہبی، العبر: ج ۴، ص ۱۷۴۔ ۱۷۵۔ ۵۵۔ یوسف بن تغری، جمال الدین ابی المحاسن، النجوم الزاہرۃ فی ملوک مصر والقاہرہ، پیش کردہ: محمد حسین شمس الدین، بیروت لبنان۔ دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۲ء: ج ۵، ص ۳۵۳

۵۔ محمد بن خیر بن عمر اللمتونی الاشبیلی

ان کا نام محمد بن خیر بن عمر بن خلیفہ المتونی الاشبیلی ،مقری ہیں۔آپ حافظ صاحب شریح ہیں۔اپنے زمانے میں قرأت میں فائق تھے۔آپ نے جن اساتذہ سے کسبِ فیض کیا، ان میں ابومروان الباجی اور ابن العربی(۱) شامل ہیں۔حدیث میں بہت نام پیدا کیا۔

۶۔ محمد بن عیاض

ابوعبداللہ محمد بن عیاض بن موسیٰ الیحصبی قاضی عیاضؒ کے فرزندِ جلیل اور حدیث وفقہ کے امام تھے۔ ان کی تصانیف میں ''تراجم قاضی عیاض'' نے نام پیدا کیا۔محمد بن عیاض نے ۵۷۵ھ میں وفات پائی۔(۲)

۷۔ ابومحمد بن عبیداللہ الاندلسی

شیخ المقرب ابومحمد عبیداللہ بن محمد بن علی بن عبداللہ ابن عبیداللہ سبتہ میں ۵۰۵ھ میں پیدا ہوئے۔علم حدیث اور علم قرأت میں شہرت پائی۔قاضی عیاضؒ کے شاگردوں میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔۵۹۱ھ میں وفات پائی۔(۳)

۸۔ ابومحمد عیسیٰ بن الحاجری

عیسیٰ بن سنجرین، بہرام بن جبریل بن خمارتکین بن طاشکین الاربلی المعروف بالحاجری حسام الدین ابویحییٰ، ابوالفضل، ادیب شاعر تھے۔ ۵۸۲ھ میں ولادت ہوئی۔ ان کی تصانیف میں ایک مجموعہ دیوان ہے اور ایک کتاب مارح القرلان الحاجریہ ہے۔ باربل میں ۶۳۲ھ میں وفات پائی۔(۴)

۱۔ابن العماد، شذرات الذہب: ج۶،ص ۴۱۶۔الذہبی، العبر: ج۴،ص ۲۲۵۔الذہبی، محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز، شمس الدین، أبوعبداللہ، سیر اعلام النبلاء، جلد نمبر ۲۱، موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ السابعۃ، ۱۴۱۰ھ۔۱۹۹۰ء، ص ۸۵۔۸۶

۲۔عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین: ج۴،ص ۱۰۵

۳۔عمر رضا کحالہ، معجم المؤلفین: ج۸،ص ۵۲۔ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج۱،ص ۵۰۴

۴۔الزرکلی، الأعلام: ج۵،ص ۲۸۷

قاضی عیاضؒ۔علمی و تصنیفی خدمات

قاضی عیاضؒ اندلسی بہت سے علوم و فنون کے ماہر تھے۔ اس لیے ان کی تالیفات بھی بہت سے موضوعات پر ہیں۔انہوں نے تقریباً تمام علوم کے اہم موضوعات پر قلم اٹھایا۔

الف۔حدیث

قاضی صاحب کی حدیث اور علم الحدیث، سیرت سے متعلقہ تصانیف درجِ ذیل ہیں:

۱۔مشارق الانوار علیٰ صحاح الآثار

یہ کتاب موطا اور بخاری و مسلم کی شرح کی حیثیت رکھتی ہے۔ابن فرحون (م ۷۹۹ھ) کے مطابق اگر اس کتاب کو آبِ زر سے لکھا جائے اور جواہر کے برابر وزن کیا جائے تو بھی اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا۔(۱)

۲۔اکمال المعلم بفوائد المسلم

یہ صحیح مسلم کی مفید شرح ہے۔

۳۔بغیۃ الرائد لما تضمنہ فی حدیث ام زرع من الفوائد

یہ کتاب حدیث اُم زرع کی شرح ہے۔(۲)

۴۔کتاب اتماع الیٰ معرفۃ اصول الراویۃ وتقیید السماع

یہ کتاب مصطلح الحدیث کے موضوع پر ہے۔

۵۔الالماع فی ضبط الروایۃ وتقید السماع

یہ کتاب کتبِ حدیث کی روایات اور احادیث کے آداب و ضبط سے متعلق ہے۔مصر میں ۱۴۰۷ء میں شائع ہوئی۔

۶۔الغنیۃ فی شیوخہ

یہ کتاب قاضی عیاضؒ نے اپنے اساتذہ کے احوال پر مشتمل ہے۔

۱۔ابن فرحون، دیباج المذاہب: ص ۲۷۲

۲۔ایضاً: ص ۲۷۲۔حاجی خلیفہ۔کشف الظنون: ص ۲۴۸

۷۔المعجم فی شیوخ ابن سکرہ الصدفی

یہ کتاب اپنے استاد حافظ صدفی کے شیوخ سے متعلق ہے اور مفقود ہے۔

۸۔ترتیب المدارک وتقریب المسالک لمعرفۃ اعلام مذہب مالک

طبقات المالکیہ پر یہ ضخیم کتاب ہے، جو بیروت سے ڈاکٹر احمد بکیر نے شائع کی۔

۹۔کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

یہ سرورِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ سے متعلق ہے، جس میں اللہ کے ہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور مسلمانوں کے فرائض اور معترضین کو جوابات دیے گئے ہیں۔

۱۰۔غنیۃ الکاتب وبغیۃ الطالب فی الصدور والترسل

بہ قول ابن فرحون یہ نامکمل کتاب ہے۔(۱)

ب۔فقہ اور احکام سے متعلق تصانیف

قاضی عیاضؒ مالکی مسلک تھے، انہوں نے مالکی فقہ پر بہت کتب مرتب کیں، جو حسب ذیل ہیں:

۱۔التنبیہات المستنبطہ فی شرح مشکلات المدوّنہ والمختلطۃ

یہ کتاب تنبیہات کے نام سے مشہور ہے۔شاہ عبدالعزیز (م۱۲۳۹ھ) اور ازھار الریاض میں مقری (م۱۰۴۱ھ) نے اسے بے مثل کتاب قرار دیا۔(۲) یہ فوائدِ حدیث پر مشتمل ہے۔اس کے متعدد نسخوں کا ذکر البشیر علی احمد نے اپنی کتاب القاضی عیاض وجھودہ فی علم الحدیث میں کیا ہے۔

۲۔الاعلام بحدود قواعد الاسلام

یہ تعارفِ اسلام پر سہل اور آسان کتاب ہے۔مغربی اسلامی ممالک میں تین بار شائع ہوئی۔اسلامی دنیا میں قدرے غیر معروف ہے۔

۱۔ابن فرحون۔دیباج المذاہب:ص ۲۷۲

۲۔المقری، ازھار الریاض: ج۱ص ۷۰۔عبدالعزیز، شاہ، بستان المحدثین:ص ۲۲۵

۳۔القواعد

ارکانِ اسلام کی شرح پر مشتمل ہے، جو ابھی مخطوطہ ہے۔

۴۔نظم البرھان علیٰ حجۃ جزم الاذان

اس کتاب کا صرف تذکرہ ہی ملتا ہے۔

۵۔المقاصد الحسان فیما یلزم ال اِنسان

ابن فرحون (م ۷۹۹ھ) کے مطابق قاضی کی نامکمل کتاب ہے اور البشیر علی احمد کے بہ قول یہ کتاب مفقود ہے۔

۶۔أجوبۃ عما نزل فی أیام قضائہ من نوازل الأ حکام

یہ مختلف فقہی سوالات کے جوابات پر مبنی ہے، جسے آپ کے فرزند محمد نے مکمل کیا۔ رباط کی لائبریری میں اس کا نسخہ موجود ہے۔

۷۔الأ جوبۃ المحبّرۃ علی الأ سئلۃ المتخیّرۃ

اس کی نسبت قاضی عیاضؒ کی طرف ہے، لیکن کتاب مفقود ہے۔ ابن فرحون کے بہ قول نامکمل کتاب ہے۔

۸۔أجوبۃ القرطبین

اہل قرطبہ کے احوال و آثار پر مشتمل ہے۔ ابن فرحون نے اس کا ذکر کیا اور کہا کہ نامکمل ہے۔

۹۔کتاب سر السراۃ فی ادب القضاۃ

اس کا ذکر بھی ابن فرحون نے الدیباج المذاہب میں کیا ہے۔

۱۰۔مطامح الأ فھام فی شرح الأ حکام

اس کا ذکر البشیر علی احمد نے کیا ہے۔

ج۔کتبِ تاریخ

تاریخ پر قاضی عیاض کی درجِ ذیل تصانیف ہیں:

۱۔الجامع التاریخ

اندلس اور مغرب کے بادشاہوں کی تاریخ ہے۔اس میں سبتہ کی تاریخ اور علما کا تذکرہ ہے۔

۲۔کتاب العیون الستۃ فی أخبار السبتۃ

یہ بھی بہ قول ابن فرحون نامکمل کتاب ہے۔(۱)

۳۔التاریخ المراطبین

۴۔اخبار الملوک بالاندلس والمغرب

د۔متفرق تالیفات

قاضی عیاض کی متفرق تالیفات مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔السیف المسلول علی من سب اصحاب الرسول

۲۔ادب الرسائل المغاطبات

۳۔الفئیہ

۴۔الصنغاء تحریر الشف

۵۔غریب الشہاب

۶۔قصیدہ

۷۔العقیدہ(۲)

کتاب ''الشفاء'' تعارف وخصائص

الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قاضی عیاضؒ کی شہرہ آفاق کتاب ہے۔ عربی میں سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر جو کتب لکھی گئی ہیں، ان میں الشفاء اپنے مضامین کی نوعیت، ندرت، اثر انگیزی اور دل نشینی کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔کتاب الشفاء کئی بار چھپ چکی

۱۔ابن فرحون۔دیباج المذاہب:ص ۲۷۲

۲۔کارل بروکلمان، تاریخ الأدب العربی، مترجم: ا۔د۔محمود فہمی حجازی، موسسۃ دار الکتاب الاسلامی، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۹ھ۔۲۰۰۸م: ج ۳، ص ۲۶۶۔۲۷۵

ہے۔ علیحدہ بھی اور اپنی بعض شرحوں کے ساتھ بھی چھپ چکی ہے۔ زیر نظر کتاب الشفاء علامہ الشمنی کی **مزیل الخفاء عن الفاظ الشفاء** کے ساتھ چھپی ہوئی ہے۔ یہ دارالکتب العلمیہ، بیروت سے شائع ہوئی ہے۔

سببِ تالیف

سرورِ کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت، تعریف وتوقیر اور اکرام واحترام کا مفصل، مدلل اور مستند بیان اس کتاب کا مقصدِ تالیف ہے۔ سیرتِ طیبہ کا موضوع نہ صرف بنیادی، بل کہ ضروری ہے۔ موضوع کے دقائق وغوامض کی شناوری کوئی سہل کام نہ تھا، لیکن ساتھ ہی ساتھ یہ احساسِ فرض بھی دامن گیر تھا کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتمانِ علم سے منع فرمایا اور اشاعتِ علم کی تاکید فرمائی، چناں چہ موضوع کی نزاکت واہمیت اور فرض کی حسن ادائیگی کا احساس، یہ دونوں حقائق یک جا ہوئے تو الشفاء جیسی مستند کتاب معرضِ وجود میں آئی، جس کے متعلق کہا جاتا ہے:

و لو لا عیاض ما ذکر المغرب

و لو لا الشفاء ما ذکر القاضی(۱)

اور اگر قاضی عیاضؒ نہ ہوتے تو مغرب کا ذکر ہی نہ کیا جاتا اور اگر ان کی کتاب الشفاء نہ ہوتی تو قاضی کو یاد نہ رکھا جاتا۔

کتاب "**الشفاء**" کی تالیف کے حوالے سے کہ قاضیؒ نے کس وجہ سے یہ کتاب مرتب کی، یا کس کی فرمائش پر تحریر کی گئی ہے، قاضی عیاضؒ تمہید میں لکھتے ہیں:

مجھے ایک ایسا مجموعہ مرتب کرنے کے لیے اصرار کیا گیا، جو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدرو منزلت پر مشتمل ہو اور اس میں بیان کیا گیا ہو کہ لوگوں پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا ادب واحترام لازمی اور ضروری ہے۔ اور جو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و توقیر میں کمی اور کوتاہی کریں، ان کے بارے میں کیا حکم ہے۔ ایسے لوگوں کے متعلق امت کے اسلاف اور ہمارے ائمہ واکابر کا کیا طرزِ عمل رہا ہے۔ یہ بڑا

۱۔ الترابی، بشیر علی احمد، القاضی عیاض وجہودہ فی علم الحدیث: ص ۱۹۵

دقت طلب اور مشکل کام ہے۔ اگر فکر صحیح اور عقل سلیم کی رہبری اور توفیق الٰہی شامل حال نہ ہو تو لغزش اور خطا کا بڑا امکان اور اندیشہ ہے، لیکن چوں کہ اس سے برکت، ثواب اور انعام کی امید ہے اور یہ واقعہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں جو اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ خصائل جمع ہو گئے تھے، وہ کسی بھی مخلوق کے اندر نہیں پائے جاتے۔ اس لیے ان کا بیان بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اور بلا شبہ ان سے واقفیت کے بغیر اللہ کی اطاعت و بندگی کا حق بھی ادا نہیں ہوسکتا، جو تمام حقوق کے مقابلے میں زیادہ اہم اور مقدم ہے۔ علاوہ ازیں اللہ نے اہل علم اور اصحابِ کتاب سے عہد لیا ہے کہ وہ اس کتاب کی باتوں کو لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کریں گے۔ حدیثوں میں بھی کتمانِ علم پر شدید وعیدیں بیان کی گئی ہیں۔ اس لیے میں نے کچھ واضح نکات تحریر کئے ہیں۔(۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ الشفاء بڑے نیک جذبے اور حصولِ ثواب کی خاطر لکھی گئی ہے۔ گویا قاضی عیاض کے پیش نظر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر ایمان اور محبت کے ساتھ ایک ایسی کتاب لکھنا مقصود تھا، جو ایک مسلمان کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مضبوط بنائے، ایمان پختہ ہو، حقوقِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شعور اجاگر ہو، عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دنیا متعارف ہو، ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلند ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات وشمائل اور سیرتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مقبولیت، شہرت دوام جو اللہ رب العزت نے عطا کی ہیں، اس میں قاضی عیاضؒ کا علمی اور قلمی حصہ شامل ہے۔

تعارف

کتاب الشفاء سیرت کی عام کتابوں سے مختلف انداز میں لکھی گئی ہے۔ اس میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر ومنزلت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معجزانہ سیرت وشخصیت، بلند اوصاف ومحامد اور پاکیزہ اَخلاق وعادات کو پیش کر کے دکھایا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام محاسن وکمالات کا سرچشمہ

۱۔ قاضی عیاضؒ، ابوالفضل عیاض بن موسیٰ بن عیاض، مقدمہ: الشفاء بتعریف حقوق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بیروت لبنان۔ دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الثانیہ، ۱۴۳۲ھ/۲۰۱۱ء: ج۱، ص:۱۱۔۱۲

اور ہر قسم کے نقائص و عیوب سے پاک تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی تمام انسانوں کے لیے قابلِ اتباع اور لائق تقلید ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لوگوں پر گوناگوں حقوق عائد ہوتے ہیں۔ جو لوگ ان حقوق کی ادائیگی میں کمی اور کوتاہی کرتے ہیں، وہ ہر طرح کی دُنیوی اور اُخروی سزا کے مستحق ہیں۔ ان مباحث کو قرآن مجید اور احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اور آیات و احادیث کی تشریح و وضاحت کے لیے سلف کے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں۔

مقدمہ کتاب الشفاء

کتاب الشفاء کے آغاز میں مقدمہ تین صفحات پر مشتمل ہے۔ ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا سے کی ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اوصافِ کریمہ و جمیلہ کا ذکر ہے۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آل و اصحاب پر صلوٰۃ و سلام بھیجا ہے۔ قاری و مخاطبین کے لیے چند دعائیہ فقرے، اولیائے کرام کی اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر و منزلت کو بیان کیا ہے۔ قاضی عیاضؒ ان طالبانِ سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مخاطب ہیں، جنہوں نے آپ سے عالی شان کتاب لکھنے کا مطالبہ کیا۔ موصوف اپنے لیے اس مطالبے کو کوہِ گراں تصور کرتے ہیں۔ اور اس موضوع کو غوامض و اسرار کا بحر اقرار دیتے ہیں کہ یہ موضوع ان تمام اوصاف و صفاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احاطہ کرتا ہے کہ جن کا بیان آئندہ صفحات پر ہوگا۔ قاضیؒ اس کتاب کو اپنے اور قارئین کے لیے ذریعہ بخشش سمجھتے ہیں اور اس حساس ترین موضوع پر قلم اٹھانے کی جسارت صرف اس حدیث پر عمل پیرا ہونے کے لیے کرتے ہیں کہ جس میں حقیقی علمی سوال کا صحیح جواب دینا واجب قرار دیا ہے۔ اس ادائیگی فرض کے لیے ان کا قلم اس موضوع پر حرکت میں آتا ہے۔ مؤلف محترم نے خود اس کتاب کو ''الشفاء بتعریف حقوق المصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا نام دیا ہے۔(۱)

تقسیم مواد

کتاب الشفاء دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ قاضی عیاضؒ نے اسے چار حصوں میں تقسیم کیا

۱۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ج ۲، ص ۱۶۴۔ ۱۸۰۲

ہے۔ حصہ اوّل میں چار ابواب ہیں اور کل ۷۹ فصول ہیں۔ حصہ دوم میں بھی چار ابواب ہیں اور اس کی کل فصول ۲۸ ہیں۔ حصہ سوم کے دو باب اور ۲۴ فصول ہیں۔ حصہ چہارم کے تین ابواب اور ۲۳ فصول ہیں۔ اس طرح یہ کتاب ۲ جلدوں، ۴ اقسام، ۱۳ ابواب اور ۱۵۴ فصول پر مشتمل ہے۔

کتاب الشفاء کی شرف ومقبولیت

قاضی عیاضؒ کی کتاب الشفاء بے حد مقبول اور بے نظیر تصنیف ہے۔ جس نے ان کو شہرت کی بلندیوں تک جا پہنچایا۔ قاضی عیاضؒ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَخلاق، معجزات اور کرامات کو ایسے طریقے سے بیان کیا، جس سے ان کی والہانہ عقیدت ومحبت ظاہر ہوتی ہے۔ اس کی جدت وندرت ہر طبقہ ومسلک کے لوگوں میں شہرت ومقبولیت اور اندازِ تحریر کی دل آویزی کا قاضی عیاضؒ کے معاصرین، اربابِ سیر اور علمائے فن نے اعتراف کیا ہے۔

کتاب الشفاء کی سب سے بڑی مقبولیت کہ یہ نہ صرف علما اور عوام میں مقبول ہے، بل کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں بھی اسے شرفِ قبولیت حاصل ہے۔ چناں چہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

> کسی کتاب کی مقبولیت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوسکتی ہے کہ بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مقبول ہوجائے۔ شفاء شریف کا سب سے بڑا امتیاز یہی ہے کہ ''ایک دفعہ قاضی عیاضؒ کے بھتیجے نے خواب میں دیکھا کہ قاضی عیاضؒ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سونے کے تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر ان پر ہیبت طاری ہوگئی۔ قاضی عیاضؒ نے اپنے بھتیجے کی حالت کو محسوس کرلیا اور فرمایا: بھتیجے! میری کتاب الشفاء کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اسے اپنے لیے دلیلِ راہ بناؤ۔ گویا یہ اشارہ تھا کہ قاضی عیاضؒ کو یہ منصب وکرامت اس کتاب کی بہ دولت ملی ہے۔
>
> علمائے اعلام نے نظم ونثر میں اس کتاب کی توصیف کی ہے۔(۱)
>
> مقری نے ازھار الریاض میں لکھا ہے:

۱۔ عبدالعزیز، شاہ، بستان المحدثین: ص ۲۲۲

کتاب الشفاء اپنی مقصدیت کے لحاظ سے بلند اور کام یاب ہے۔ شرق و غرب میں اس کی شہرت عام ہے۔ اس کتاب کے فضائل لامتناہی ہیں۔ (۱)

کتاب الشفاء کی تعریف میں اشعار بھی لکھے اور پڑھے گئے۔ لسان الدین خطیب کا شعر بہ طور حوالہ پیش کرتے ہیں:

شفاء عیاض للصدور شفاء
و لیس للفضل قدحوا خفاء (۲)

شفاء قاضی عیاض، دلوں کی شفاء ہے اور جس فضیلت پر مشتمل ہے، وہ مخفی نہیں۔

ابن فرحون (م۷۹۹ھ) نے شرق و غرب میں اس کی شہرت و مقبولیت کو یوں بیان کیا ہے:

کتاب الشّفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ أبدع فیه کل الإبداع و سلم له اکفاؤه کفایة و لم ینازعه أحد من الإنفراد به و لا أنکروا مزیة السبق إلیه بل تشوقوا للوقوف علیه أنصفوا فی الإستفادة منه و حمله النّاس عنه و طارت نسخه شرقاً و غرباً۔ (۳)

کتاب الشفاء بہ تعریف حقوق المصطفیٰ ﷺ انتہائی مواد پر مشتمل ہے جسے ان کے ہم عصروں نے تسلیم کیا اس کی انفرادیت کی وجہ سے کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا۔ اُسے حاصل کرنے میں پس و پیش نہ کیا بل کہ اُسے حاصل کرنے میں شوق ظاہر کیا۔ اس سے استفادہ کرنے میں انصاف کیا، لوگوں نے اُسے حاصل کیا اور اُس کے نسخے مشرق و مغرب میں پھیل گئے۔

صاحبِ کشف الظنون نے اسے عظیم اور کثیر المنفعت کتاب قرار دیا اور کہا کہ اس جیسی کتاب تاریخِ اسلام میں نہیں لکھی گئی:

۱۔ المقری، ازھار الریاض فی اخبار قاضی عیاض: ج۴، ص۲۷۱

۲۔ محمد عبدالحکیم قادری، قاضی عیاضؒ، مشمولہ: نقوشِ رسول نمبر، (مدیر: محمد طفیل) جلد نمبر ۱، شمارہ نمبر ۱۳۰، لاہور: ادارہ فروغِ اردو، ۱۹۸۶ء: ص ۶۴۰

۳۔ ابن فرحون، الدیباج المذہب: ص ۲۷۲

وھو کتاب عظیم النفع، کثیر الفائدۃ، لم یؤلف مثلہ فی الإسلام۔ شکر اللّٰہ سبحانہ وتعالٰی سعی مؤلّفہ وقابلہ برحمتہ وکرمہ(۱)

یہ عظیم کتاب ہے، نفع بخش ہے اس کا بہت زیادہ فائدہ ہے۔ اس جیسی اسلام میں کوئی اور کتاب نہیں لکھی گئی۔ اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ یہ ایک اچھی کوشش ہے۔ اس کو تالیف کرنے میں اللہ کا کرم شامل ہے۔ اس کو مقبولیت حاصل ہے اور اللہ کی رحمت اور کرم ہے۔

شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (م ۱۲۳۹ھ) نے بُستان المحدثین میں بعض شعرائے کرام کا وہ منظوم نذرانۂ عقیدت لکھا، جو انہوں نے کتاب شفاء کی شان میں رقم کیا۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے مطابق قاضی عیاضؒ کی تصانیف میں سے ''الشفاء'' ایک عجیب (عظیم) اور مقبول کتاب ہے۔(۲)

ملا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ) کتاب الشفاء کو اپنے موضوع پر محیط اور جامع قرار دیتے ہیں، اور اس کی شرح لکھنے پر اپنی مغفرت کی اُمید رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

لما رأیت کتاب الشفاء فی شمائل صاحب الاصطفاء، أجمع ما صنف فی بابہ مجمل فی الإستیفاء لعدم إمکان الوصول إلی انتہاء الإستقصاء، قصدت ان اخدمہ بشرح (۳)

جب میں نے منتخب ترین ہستی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شمائل کے بیان میں کتاب الشفاء دیکھی، جو اس موضوع پر اجمالاً احاطہ کرنے والی کتابوں میں سے جامع ترین ہے، کیوں کہ کما حقہ احاطے تک رسائی ممکن ہی نہیں تو میں نے شرح کے ساتھ اس

۱۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون أسامی الکتب والفنون، آرام باغ کراچی: نور محمد کارخانۂ تجارت کتب، س۔ ن: ج ۲، ص ۱۰۵۲

۲۔ عبدالعزیز، شاہ، بُستان المحدثین: ص ۲۲۲۔ ۲۲۳

۳۔ ملا علی قاری، علی بن محمد، ابوالحسن نورالدین، شرح شفا، بیروت: دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۱ھ: ج ۱ ص ۹

کی خدمت کا ارادہ کیا۔

اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں ہے:

کتاب الشفاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی سوانح ہے، جس میں معترضین کو جواب دیے گئے ہیں۔(۱)

شہاب الدین خفاجی (م۱۰۶۹ھ) کے مطابق شفاء اسم بامسمیٰ ہے۔ اس کا مطالعہ مصائب سے نجات دینے والا ہے۔

شہاب الدین خفاجی (م۱۰۶۹ھ) نسیم الریاض میں فرماتے ہیں:

و اسمه موافق المسماه، فإن السلف الصالحين، قالوا: انه جرب قرأته لشفاء الامراض و فک عقد الشدائد، و فيه أمان من الغرق و الحرق و الطاعون ببركته صلى الله عليه وآله وسلم إذا صح الإعتقاد حصل المراد (۲)

شفا شریف کا اسم اسی کے مسمی کے موافق ہے، کیوں کہ سلف صالحین فرماتے ہیں کہ اس کا پڑھنا بیماریوں کی شفا کی علامت ہے۔ مشکلات کی گرہیں کھولنے میں مجرب ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی برکت سے اس میں ڈوبنے، جلنے اور طاعون کی مصیبتوں سے امان ہے اور اگر اعتقاد صحیح ہو تو مراد حاصل ہو جاتی ہے۔

مندرجہ بالا تمام علما کے اقوال سے یہ بات واضح ہے کہ کتاب ''الشفاء'' ایک مقبول ترین کتاب ہے۔ بہت سے مؤلفین نے اس کو بہ طور ماخذ لیا ہے اور اس سے روایات لی ہیں۔ یہ کتاب اپنے مضامین کی نوعیت، ندرت، اثر انگیزی اور دل نشینی کے اعتبار سے بہت اہم ہے۔

شروح وتعلیفات

محمد عبدالحکیم شرف قادری نے لکھا ہے کہ شفاء شریف کی مقبولیتِ عامہ کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ افاضل کی بہت بڑی جماعت نے اس پر شروح وحواشی لکھے ہیں۔ اس کتاب

۱۔ قاضی عیاض بن موسیٰ، از نا معلوم، اردو دائرہ معارف اسلامیہ: جلد نمبر ۲، شمارہ ۱۴، ص۳۵۱

۲۔ خفاجی، شہاب الدین احمد بن محمد بن عمر، نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاضؒ، تحقیق: محمد عبدالقادر عطاء، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیہ، الطبعہ الثانیہ، ۱۴۳۲ھ۔۲۰۱۱ء: ج۱، ص۹۱

سے استفادہ کرنے والوں کا شمار ہی مشکل ہے۔ ذیل میں کشف الظنون کے حوالے سے چند شروح اور تعلیقات کا مختصر ذکر کیا جاتا ہے:

۱۔ شیخ محمد بن احمد اسنوی شافعی (م ۷۶۳ھ) نے شفاء کی تلخیص کی۔

۲۔ شیخ استاذ ابوعبداللہ بن حسن مخلوق الراشدی المعروف بابرکان نے تین شرحیں لکھیں۔

۳۔ حافظ عبداللہ ابن احمد بن سعید بن یحییٰ الزموری نے شرح لکھی۔

۴۔ ابوعبداللہ محمد بن علی بن ابی الشریف الحسنی التلمسانی نے بہترین المنہل الاصفی فی شرح ماتمس الحاجۃ الیہ من الفاظ شفاء لکھی۔ یہ شرح مذکورۃ الصدد دوسری اور تیسری سے ماخوذ تھی اور ۱۴ صفر ۹۱۷ھ میں مکمل ہوئی۔

۵۔ شمس الدین محمد بن محمد الدلجی الشافعی العثمانی (م ۹۴۷ھ) نے الاصطفاء لبیان معانی الشفاء کے نام سے لکھی اور ۱۲ شوال ۹۳۵ھ میں مکمل ہوئی۔

۶۔ امام ابوالحسن علی بن اقبرش الشافعی نے ۸۶۲ء میں شرح لکھی۔

۷۔ عمر العرفی نے چار جلدوں میں شرح لکھی۔

۸۔ ابوذر احمد بن ابراہیم الحلبی (م ۸۴۴ھ) نے شرح لکھی، لیکن اسے مکمل نہ کر سکے۔

۹۔ امام ابوالمحاسن عبدالباقی السمیانی نے الاکتفاء فی شرح الفاظ الشفاء لکھی۔

۱۰۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ (م ۹۱۱ھ) نے مناہل الصفاء فی تخریج احادیث الشفاء لکھی۔

۱۱۔ حافظ برہان الدین ابراہیم ابن محمد الحلبی (م ۸۴۱ھ) نے المقتفی فی حل الفاظ الشفاء لکھی۔

۱۲۔ علامہ تقی الدین ابوالعباس احمد بن محمد الشمنی (م ۸۷۳ھ) نے مزیل الخفاعن الفاظ الشفاء کے نام سے حاشیہ لکھا۔ ۸۴۷ھ میں مکمل کیا۔

۱۳۔ محمد بن خلیل بن ابوبکر ابوعبداللہ الحلبی المعروف القباقبی (م ۸۱۴ھ) نے ''زبدۃ المقتفی فی تحریر الفاظ شفاء'' لکھی۔

علامہ تقی الدین اور القباقبی کی شرحیں علامہ برہان الدین کی شرح سے ماخوذ ہیں۔

۱۴۔ علامہ شہاب الدین احمد بن رسلان الرملی الشافعی (م ۸۴۴ھ) نے حاشیہ لکھا۔

۱۵۔ عماد الدین ابو الفداء اسماعیل بن ابراہیم جماعۃ الکنانی القدسی (م ۸۶۱ھ) نے بعض الفاظ کی شرح لکھی۔

۱۶۔ سید قطب الدین عیسیٰ الصفوی نے اس کی شرح لکھی ہے۔

۱۷۔ علامہ زین الدین بن الاشعاتی الحلبی ۔

۱۸۔ علامہ رضی الدین محمد ابن ابراہیم المعروف بابن الحسنبلی الحلبی نے موارد الصفاء و فوائد الشفاء لکھی۔

۱۹۔ قطب الدین محمد بن محمد الخیفری (م ۸۹۴ھ) نے ''الصفا ابتحر الشفاء'' لکھی۔

۲۰۔ علامہ یوسف بن ابی الفتح الدمشقی الامام السلطانی المعروف بالسقفی (م ۱۰۵۷ھ)

۲۱۔ محمد بن عبد السلام البنانی نے نداء الحیاض فی شرح الشفاء للقاضی عیاض لکھی۔

۲۲۔ الحاج نجیب الیغتابی مدرّس مدینہ منورہ (۱۲۱۹ھ) نے اس کی شرح لکھی۔

۲۳۔ الشیخ حسن العدوی الخمرادی نے المدالفیاض لکھی۔

۲۴۔ علامہ احمد شہاب الدین خفاجی نے نسیم الریاض فی شرح شفاء للقاضی عیاض لکھی۔

۲۵۔ علامہ نور الدین علی بن محمد المعروف (ملا علی قاری) نے شرح شفاء لکھی۔

اس وقت آخری دو شرحیں مقبول اور متداول ہیں۔ شرح الشفاء حضرت ملا علی قاری نسیم الریاض کے حاشیے پر چھپی ہوئی چار جلدوں میں دست یاب ہے۔ عین الوفاء ترجمۃ الشفاء کے نام سے ابوبکر بن محمد بروچی (م ۹۱۵ھ/ ۱۵۰۹ء) نے الشفاء کا فارسی ترجمہ کیا۔(۱)

کتاب الشفاء کی شروحات کی تعداد اور مختصرات کو دیکھ کر اس کی اہمیت و مقبولیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کو اکثر ائمہ کرام اور مصنّفین نے قبول کر کے اس کی بہت اہمیت بیان کی ہے۔

کتاب الشفاء کے اردو تراجم

کتاب ''الشفاء'' کی شروحات و مختصرات کی طرح اس کے اردو تراجم بھی کیے گئے:

کتاب الشفاء کا اردو ترجمہ شمیم الریاض کے نام سے محمد اسماعیل کاندھلوی نے کیا۔

اس کا دوسرا ترجمہ نذیر احمد جعفری نے کیا۔ ایک اور ترجمہ احمد علی شاہ نے لاہور میں

۱۔ محمد عبد الحکیم شرف قادری، قاضی عیاضؒ، مشمولہ: نقوشِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نمبر: ج ۱، ص ۶۴۳۔۶۴۴

۱۹۱۴ء میں کیا۔

کتاب الشفاء کا ایک ترجمہ حافظ قاری قاسمؒ نے کیا ہے، جو مکتبۃ العلم نے شائع کیا ہے۔

مولانا سید محمد متین ہاشمی نے بھی کتاب الشفاء کا ترجمہ کیا، جو انجمن اصلاح المسلمین، پنڈی بھٹیاں نے شائع کیا۔

کتاب الشفاء کے نام سے ایک ترجمہ ۱۹۸۰ء میں دو جلدوں میں چھپا۔ پہلی جلد کے مترجم مولانا عبدالحکیم اختر شاہ جہاں پوری ہیں۔ دوسری جلد کا ترجمہ مولانا اطہر نعیمی نے کیا، جو مکتبہ نبویہ گنج بخش روڈ لاہور سے ۱۴۱۱ھ میں شائع ہوا۔

مولانا مفتی سید غلام معین الدین نعیمیؒ نے بھی الشفاء کا ترجمہ نعیم العطافی حدیث المجتبیٰ کے نام سے کیا، جسے نذیر سنز پبلشرز لاہور نے شائع کیا۔

خصائص الشفاء

قاضی عیاضؒ کی تصنیف الشفاء کو فضائل رسول پر لکھی جانے والی کتب میں فی زمانہ ایک امتیازی اور انفرادی شان حاصل رہی ہے۔ یہ گراں قدر تصنیف عقیدے کی صحت و درستگی میں انتہائی اہمیت وافادیت کی حامل ہے۔ اپنے مضامین و مندرجات پر خود دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے: **الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا اجمالی معنی یہ ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و کمالاتِ نبوت و رسالت اور حقوق و آداب کا ذکر سراپا شفاء ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و محامد، آداب و حقوق کے حوالے سے یہ گراں قدر تصنیف ہر قسم کی بد اعتقادی و گم راہ، قلبی و روحانی امراض اور شکوک و شبہات کا نہ صرف بہ توفیق ایزدی ازالہ کرتی ہے، بل کہ ان کے لیے شفائے کلی کی حیثیت بھی رکھتی ہے۔

کتاب الشفا میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قدر و منزلت، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معجزانہ سیرت و شخصیت، بلند اوصاف و محامد اور پاکیزہ اَخلاق و عادات کو پیش کر کے دکھایا گیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمام محاسن و کمالات کا سرچشمہ اور ہر قسم کے نقائص و عیوب سے پاک تھے۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی ذاتِ گرامی تمام انسانوں کے لیے قابل اتباع اور لائق تقلید ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لوگوں پر گوناگوں حقوق عائد ہوتے ہیں۔ جو لوگ ان حقوق کی ادائیگی میں کمی اور

کوتاہی کرتے ہیں وہ ہر طرح کی دُنیوی اور اُخروی سزا کے مستحق ہیں۔ ان مباحث کو قرآن مجید اور احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں بیان کیا گیا ہے۔ اور آیات و احادیث کی تشریح و وضاحت کے لیے سلف کے اقوال بھی نقل کیے گئے ہیں۔

گویا کتاب الشفاء اپنے موضوع کے لحاظ سے منفرد، اندازِ بیان کے حوالے سے پُرتاثیر اور معلومات کے لحاظ سے جامع ہے۔ یہ مصنف کا والہانہ عشق اور سرورِ کائنات رسالت مآب کی ذاتِ بابرکات کے ساتھ قلبی وابستگی ہے، جو اس کتاب میں جھلکتی ہے۔

کتاب الشفا کی سب سے اہم خصوصیت قرآن کریم کے حوالے سے سیرتِ طیبہ کا بیان ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کے حوالے سے قرآن کی حیثیت اساسی اور بنیادی ہے۔ بلاشبہ حضور ﷺ کی سیرتِ مطہرہ اور شمائل و فضائل کے باب میں قرآن پاک سے بڑھ کر زیادہ مستند اور معتبر ذریعہ کوئی نہیں، چناں چہ قرآن کریم نے سرورِ کائنات ﷺ کے سراپا مبارک اور حسن مجسم کا ذکر بلیغ اور دل آویز انداز میں کیا ہے۔ قاضی عیاضؒ نے کتاب الشفاء کے آغاز میں آں حضرت ﷺ کی مدح و منقبت کے متعلق قرآنی آیتیں درج کی ہیں۔ اور اس کے بعد بھی جا بہ جا آپ ﷺ کے اوصاف و خصائل اور خصوصیات و امتیازات کو واضح کرنے کے لیے قرآن مجید سے ثبوت پیش کیے ہیں۔ قاضیؒ نے آں حضرت ﷺ کے تعلق سے جن مسائل پر گفت گو کی ہے، ان کے سلسلے میں اولاً انھوں نے کلامِ مجید ہی سے شواہد نقل کیے ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی زندگی قرآن حکیم کی عملی تفسیر اور جیتی جاگتی تصویر تھی۔ اس کی توضیح اُن باتوں سے ہوتی ہے:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اپنی شفقت و اکرام کا مرکز و محور بنایا۔

اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

طٰهٰ ۝١ مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰٓى ۝٢ (۱)

ہم نے آپ ﷺ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ﷺ تکلیف میں مبتلا ہو جائیں۔

۱۔ طٰہٰ: ۱۔۲

قاضیؒ نے اس آیت کے حوالے سے بیان کیا ہے:

اعتمد علی الأرض بقدمیک و لا تتعب نفسک بالإعتماد علی قدم واحدۃ۔ وھو قولہ تعالی مَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَیۡکَ الۡقُرۡاٰنَ لِتَشۡقٰۤی ۝۲ نزلت الآیۃ فیما کان النبی ﷺ یتکلفہ من السھر، و التعب، و قیام اللیل (۱)

آپ ﷺ زمین پر اپنے دونوں پاؤں مبارک رکھ کر کھڑے ہوں اور نماز پڑھیں اور ایک پیر پر کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھیں۔ اس لیے کہ اس سے آپ ﷺ کے نفس کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: ہم نے آپ ﷺ پر قرآن اس لیے نازل نہیں کیا کہ آپ ﷺ تکلیف میں مبتلا ہو جائیں۔ یہ آیت اس لیے نازل ہوئی کہ نبی کریم ﷺ ساری ساری رات عبادت میں گزار دیتے تھے۔ رات بھر نماز میں کھڑے رہتے اور اپنے آپ پر سخت مشقت برداشت کرتے۔

۲۔ اللہ عزوجل اپنے اسمائے حسنیٰ کے حوالے سے نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس کی بابت فرماتے ہیں:

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ ۝۴ (۲)

اور بے شک آپ ﷺ خلق عظیم پر فائز ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں آپ ﷺ کی نسبت ایسے جبار ہونے کی سختی سے ممانعت فرمائی، جس سے تکبر کے ذرا سے بھی غلبے کا پتہ چلتا ہو اور بتایا ہے کہ ان کی شان کے لائق ہی نہیں ہے۔ (۳) چناں چہ اس بارے میں اللہ عزوجل نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَنۡتَ عَلَیۡہِمۡ بِجَبَّارٍ (۴)

اور آپ ﷺ ان پر جبر کرنے والے نہیں۔

۱۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ج۱، ص ۳۳۔ ۳۴

۲۔ القلم: ۴

۳۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ج۱، ص: ۱۵

۴۔ ق: ۴۵

۳۔ اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت فرمائی تھی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالفین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال بیکا نہیں کر سکتے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دشمنوں کے ضرر اور ایذا رسانی سے محفوظ رہتے تھے۔ اس کا ثبوت حسبِ ذیل آیتیں ہیں:

وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ط (۱)

اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا (۲)

اور تم اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیے رہو، تم تو ہماری آنکھوں کے سامنے ہو۔

تیسری آیت میں ہے:

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ ط (۳)

کیا خدا اپنے بندے کو کافی نہیں۔

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ (۴)

ہم تمھیں ان لوگوں (کے شر) سے بچانے کے لیے جو تم سے استہزا کرتے ہیں، کافی ہیں۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ:

خطرے کے وقت صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگرانی کیا کرتے تھے، اس پر **وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ** ... الخ (۵) نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو منع کر دیا اور فرمایا کہ: میرا ربّ میرا محافظ ہے۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درخت کے نیچے استراحت فرما رہے تھے

۱۔ المائدہ: ۶۷

۲۔ طور: ۴۸

۳۔ زمر: ۳۶

۴۔ حجر: ۹۵

۵۔ المائدہ: ۶۷

کہ ایک شخص نے آکر تلوار سونت لی اور کہا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھ سے کون بچائے گا؟ ارشاد ہوا: میرا اللہ۔ وہ کانپنے لگا اور اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تلوار اُٹھالی، مگر اس کو معاف کردیا۔(۱)

قاضی عیاضؒ نے کتاب الشفاء میں جو قرآنی آیات نقل کی ہیں، ان کی مختلف پہلوؤں سے تشریح کی ہے۔ جیسے اختلافِ قرأت کا ذکر کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ (۲)

تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آیا ہے۔

اس آیت کے لفظ اَنْفُسِكُمْ کے حوالے سے اختلافِ قرأت کا ذکر کرتے ہیں:

قال السمرقندی: و قرأت بعضهم مِّنْ اَنْفَسِكُمْ بفتح الفاء و قراءة الجهور بالضم (۳)

علامہ سمرقندی نے فرمایا کہ بعض لوگوں نے مِّنْ اَنْفُسِكُمْ کی بہ جائے مِّنْ اَنْفَسِكُمْ، فا کے زبر کے ساتھ بھی پڑھا ہے، لیکن جمہور مسلمان فا کے پیش ہی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

اس کے علاوہ قاضیؒ نے خطاب کی تعیین، مشکل لفظوں کی وضاحت، دقیق مباحث کی تشریح، آیات کی تاویل وتوجیہ اور ان کے مفہوم ومطلب کی وضاحت وغیرہ کو بھی بیان کیا ہے۔

آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے بھی قاضی نے مندرجہ ذیل باتوں کو مدِ نظر رکھا ہے:

۱۔ کسی آیت کی تفسیر دوسری آیت سے کرتے ہیں، کیوں کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن ہے۔ اس میں جو چیز ایک جگہ مجمل بیان ہوئی ہے، وہی دوسری جگہ مفصل بیان کی گئی ہے۔

۲۔ آیات کی تفسیر میں حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ پھر اس میں صحابہ کرامؓ اور

۱۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ج ۱، ص: ۲۱۲۔ ۲۱۳

۲۔ التوبہ: ۱۲۸

۳۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ج ۱، ص ۱۷

تابعینِ عظام کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔

۳۔ائمہ تفاسیر کے اقوال بھی بیان کرتے ہیں۔

مصنفؒ محتاط طریقے کے مطابق سلف کے اقوال پر اعتماد کرتے ہیں۔اور عموماً جمہور کے نقطہ نظر کو مرجح قرار دیتے ہیں۔تاہم ضعیف اور مرجوح اقوال کی نشان دہی اور غلط تفسیری اقوال کی تردید بھی کرتے ہیں۔اس طرح اس میں بہ کثرت تفسیری اقوال درج ہیں۔کہیں کہیں آیات پر وارد ہونے والے اشکالات وشبہات کا جواب بھی دیا ہے۔

کتاب الشفا کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے کہ قاضیؒ نے احادیثِ مبارکہ کے تحت بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت بیان کی ہے۔تمام مباحث کے ضمن میں بے شمار احادیث شامل ہیں۔قاضیؒ کا پایہ علمِ حدیث میں بلند تھا،اس لیے انہوں نے صرف روایتوں کو نقل کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے،بل کہ ماہرِفن کی طرح ان پر مفصّل بحث وکلام بھی کیا ہے۔وہ عموماً حدیثیں سنداً نقل کرتے ہیں اوران کے طرق کی کثرت وتعداد کا ذکر بھی کرتے ہیں۔سند ومتن کے فرق واختلاف،ایک مفہوم کی متعدد روایتوں یا ایک ہی حدیث کے الفاظ کا باہمی فرق بھی دکھاتے ہیں۔احادیث کی صحت قبول وشہرت یا عدمِ صحت،نکارت وضعف کے علاوہ راویوں کی قوت وضعف،اعتبار وعدمِ اعتبار کی تصریح بھی کرتے ہیں۔اس سلسلے میں محدثین،ائمہ رجال اور علمائے اصول کے اقوال نقل کرتے ہیں۔اور حدیثوں کے مفہوم ومطلب کی دل نشین تشریح کرتے ہیں۔محدثین وشارحین کے بیان کردہ مطلب کو نقل کرتے ہیں۔اور حدیثوں کے مفہوم ومطلب کی دل نشین تشریح میں علمائے لغت کے اقوال تحریر کرتے ہیں۔ایک حدیث کا مفہوم واضح کرنے کے لیے دوسری حدیثیں بھی نظیر کے طور پر بیان کرتے ہیں اور حدیثوں کے متعلق شکوک وشبہات اور اعتراضات کا جواب دیتے ہیں۔روایتوں کے قبول اور عدمِ قبول کے بعض خاص اصول بھی بیان کیے ہیں۔

جیسے حضرت عائشہؓ معراج کو روحانی مانتی تھیں۔قاضی عیاضؒ نے ان کی روایت کو اس اصول کی وجہ سے نظر انداز کر دیا ہے کہ وہ مشاہدے پر مبنی نہیں ہے،کیوں کہ معراج کے وقت حضرت عائشہؓ نہ تو رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقد میں تھیں اور نہ ان کی عمر ہی اتنی تھی کہ واقعے کو ضبط کر سکتیں۔پس جب حضرت عائشہؓ واقعے کی عینی شاہد نہیں ہیں،بل کہ انہوں نے اس کو دوسرے صحابہؓ سے سُن کر بیان کیا ہے تو ان کی روایت قابل ترجیح نہیں ہو سکتی،جب کہ دوسروں

نے اس کو صراحتاً بیان کیا ہے۔(۱)

انہوں نے ایک اصول یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب کسی شخص کا جھوٹ ایک روایت میں ثابت اور مشہور ہو جائے تو اس کی ہر ہر خبر مشکوک اور مشتبہ ہو جاتی ہے، اور وہ لوگوں کی نظر میں متہم ہو جاتا ہے۔ اور اس کی کوئی روایت قابل یقین نہیں سمجھی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین نے ان لوگوں کی روایتوں کو ترک کر دیا ہے، جو کثرت سے غلطی کرتے ہیں، اور جن کا وہم و غفلت اور سوءِ حفظ معروف ہوتا ہے، باوجود یہ کہ وہ ثقہ اور معتبر ہوتے ہیں۔(۲)

احادیث کے نقل و بیان کے سلسلے میں ان کا یہ نکتہ اور اصول خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ جن حدیثوں میں آں حضرت ﷺ اور دوسرے انبیا کے ایسے احوال اور واقعات بیان ہوں، جو ان کے شایانِ شان نہ ہوں، یا جو حدیثیں محتاجِ تاویل ہوں، اور ان میں احتمال و تردّد کی گنجائش ہو تو ان کو نقل و بیان کرنا جائز نہیں۔ یہاں تک کہ صحیح و ثابت حدیث کا مفہوم بھی اگر واضح نہ ہو تو اس کو بیان کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ امام مالکؒ اُن حدیثوں کی راویت ناپسند کرتے تھے جن میں اللہ کی تشبیہ اور صفات وغیرہ کا ذکر ہے، اور جو عام لوگوں کی فہم سے بالاتر ہیں۔ ان کا ارشاد ہے: آخر لوگوں کو اس طرح کی حدیثیں بیان کرنے کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی ہے، ان سے کہا گیا کہ مشہور ثقہ محدث محمد بن عجلان تو ایسا کرتے ہیں۔ فرمایا کہ: وہ فقہا میں سے نہیں ہیں، اس لیے احادیث کی دقت و نزاکت سے ناواقف ہیں۔ کاش لوگ اس معاملے میں امام مالکؒ کے ہم نوا ہوتے، اور ایسی حدیثوں کے بیان کرنے سے باز آجاتے، جن میں اشکال و تردّد ہے اور جن کی عملی زندگی میں کوئی ضرورت نہیں پیش آتی۔(۳)

انہوں نے بعض جگہ ضعیف حدیثیں نقل کی ہیں، مگر ان کی تائید و توثیق کے لیے صحیح اور مشہور حدیثیں بھی نقل کر دی ہیں۔ اس طرح ضعیف حدیثوں کی حیثیت محدثین کے اصول کے مطابق شواہد و متابعات کی ہوئی۔ البتہ جب وہ کوئی خارقِ عادت واقعہ نقل کرتے ہیں تو اس کو

۱۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ج ۱، ص ۱۲۴۔۱۲۵

۲۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ج ۲، ص: ۱۳۰

۳۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ص ۱۵۲۔۱۵۳

بیان کرنے والے کثیر اشخاص کا ذکر کرتے ہیں، تاکہ حدیث کا تواتر ثابت ہوجائے، اور یہ معلوم ہوجائے کہ اس کو اتنے زیادہ اشخاص نے بیان کیا ہے، جن کا جھوٹ پر متفق ہونا محال ہے۔ چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے کھانا زیادہ ہوجانے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُنگلیوں سے پانی نکلنے کی روایت نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

> اس سلسلے کی اکثر حدیثیں کتبِ صحاح میں درج ہیں، اور اس کو متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم اور اتنے زیادہ تابعین و تبعِ تابعین نے بیان کیا ہے، جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔(۱)

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اور معجزے کا ذکر کرنے کے بعد لکھا کہ ابن عمرؓ، بریدہ، جابرؓ بن عبداللہ، ابن مسعودؓ یعلیٰ بن مرہؓ، اسامہؓ بن زید، انسؓ بن مالک، علیؓ بن ابی طالب اور عبداللہؓ بن عباس اور دوسرے صحابہؓ نے بہ نفسِ نفیس بعینہٖ یا قریب قریب اس کو بیان کیا ہے، اور ان سے کئی چند تابعین نے بیان کیا ہے۔ اس کی روایت اس قدر کثرت سے کی گئی ہے کہ اس کی قوت وصحت میں شک کی گنجائش نہیں۔(۲)

کتاب الشفاء کی تیسری اہم خصوصیت اس میں فقہی مباحث اور مختلف النوع احکام و مسائل کا بیان ہے۔

قاضی عیاضؒ نے اس ضمن میں معروف وغیرمعروف فقہا و متکلمین کے اقوال و مسالک بھی بیان کیے ہیں۔ اس قسم کی بحثیں کتاب میں جابہ جا موجود ہیں، لیکن اس کے آخری حصے میں خصوصیت سے فقہی مسائل کا ذکر ہے، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سبّ و شتم کے احکام بیان ہوئے ہیں۔ اس سلسلے میں مسلم وغیرمسلم وغیرہ کے الگ الگ احکام ومسائل کا ذکر ہے۔ یعنی اگر مسلمان رسول اللہ کی شان میں ناروا حرکت کا مرتکب ہو تو اس کے کیا فقہی احکام ہیں، اور ذمی شانِ رسالت میں گستاخی کرے تو کیا حکم ہوگا؟ اس حصے میں خدا، قرآن، انبیا ملائکہ، صحابہ کرامؓ ازواجِ مطہراتؓ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آل واولاد کی شان میں گستاخی کرنے والوں

۱۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ج۱ص: ۱۸۷۔۱۷۹

۲۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ج۱ص ۱۸۱

کے فقہی احکام بھی بیان کیے ہیں۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرح ان جگہوں اور مقامات کی حرمت و تقدیس کے مسائل بھی لکھے ہیں، جن سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلق رہا ہے۔(۱)

اسی طرح قبرِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ادب و احترام کے احکام کا بھی ذکر ہے۔(۲)

اور ان سب بحثوں میں ائمہ فقہ کے اقوال اور علما کے باہمی اختلافات کی پوری تفصیل دی ہے، جن کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کی فقہی جزئیات پر بھی گہری نظر تھی، اور وہ مسائل شریعت کے بارے میں علماء و ائمہ فقہ کے اقوال سے پوری طرح واقف تھے۔

کتاب الشفاء کی چوتھی اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس کی نوعیت سیرت کی عام کتابوں سے مختلف ہے۔ اس لیے اس میں اصلاً اور بہ راہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احوال و واقعات نہیں بیان کیے گئے، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درجات و مراتب اور امتیازات و خصائص کو ثابت کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعدد واقعات بھی تحریر کیے گئے ہیں۔ اور اس سلسلے میں حدیث، سیر، مغازی اور تاریخ کی کتابوں سے مصنف نے اخذ و استفادہ کیا ہے۔ مصنف نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا آغاز ولادتِ باسعادت سے نہیں کیا، بل کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت و تکریم سے کیا ہے، اور آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اللہ تعالیٰ، انبیا ملائکہ، اہل بیت کی شان میں گستاخی کا بیان ہے۔

کتاب الشفاء کی پانچویں اہم خصوصیت اختصار و جامعیت ہے۔ مصنف نے واقعات کو ضمناً ذکر کیا ہے۔ اسی لیے جو واقعے بہت مشہور ہیں، ان کی شہرت کی بنا پر ان کی جانب صرف اشارہ کر دیا گیا ہے، اور ان کی تفصیل بیان کرنے سے گریز کیا گیا ہے۔ چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کرامت کے سلسلے میں متعدد واقعات کی طرف مصنف نے محض اشارہ کر دیا ہے اور ان کی انتہائی شہرت کی بنا پر ان کی تفصیل بیان نہیں کی۔

طویل واقعات کے صرف ضروری حصوں کو نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے اور غیر ضروری

۱۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ص ۱۳۳۔ ۱۸۳

۲۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ص ۵۳۔ ۶۰

حصوں کو نظر انداز کر دیا ہے۔ جیسے ایک جگہ صحابہ کرامؓ کی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے غیر معمولی محبت اور اُلفت کے بیان میں عہدِ فاروقی کا یہ واقعہ نقل کیا ہے:

زید بن اسلم کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ رات میں گشت کر کے لوگوں کی خبر گیری اور نگرانی کرتے تھے۔ ایک رات انہوں نے کسی گھر میں چراغ جلتا ہوا دیکھا تو وہاں تفتیش کے لیے پہنچ گئے۔ معلوم ہوا کہ ایک بوڑھی عورت روئی کات رہی ہے اور یہ اشعار پڑھ کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خراجِ عقیدت پیش کر رہی ہے:

على محمّدٍ صلوٰة الأبرار
صلّى عليه الطيبون الأخيار

محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نیک، پاکیزہ اور برگزیدہ لوگوں کی طرف سے درود و سلام ہو۔

قد كنتَ توابا بكايا الأسحار
يا ليت شعرى و المنايا اطوار

اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سحر کے وقت عبادت کرتے اور خدا کے سامنے گڑگڑاتے تھے۔ کاش مرنے کے بعد (عالم آخرت میں)

هل يجمعنى و حبيبى الدار

میں اور میرے محبوب اکٹھا ہوتے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہوتی۔

اشتیاق و محبتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ پُر اثر منظر دیکھ کر حضرت عمرؓ رونے لگے۔''

مصنف نے اسی قدر واقعہ نقل کیا ہے، کیوں کہ اتنے ہی سے ان کا مدعا و منشا واضح ہو جاتا ہے۔(۱)

کتاب الشفاء کی چھٹی اہم خصوصیت الفاظ و لغات کی تشریح و تحقیق کی گئی ہے اور اس ضمن میں لغت و عربیت کے ماہرین کے اقوال نقل کیے گئے ہیں اور اشعارِ عرب سے شواہد پیش کیے

۱۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ج ۲، ص ۱۴۔ ۱۵

گئے ہیں۔

مصنف وحی کے معنی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

وحی کے اصل معنی اسراع (تیزی کرنا) ہیں۔ چوں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس چیز کو جو خدا کی طرف سے ان کے پاس آتی تھی، اخذ کرنے میں جلدی اور تیزی کرتے تھے، اس لیے اس کو وحی (سرعت سے اخذ کی گئی چیز) کہا جاتا ہے۔ اور اس کی مشابہت سے تمام الہامی چیزوں کو بھی وحی کہا جاتا ہے۔ لکھنے والے کے ہاتھ کی حرکت کی تیزی کی وجہ سے خط کو بھی وحی کہا جاتا ہے۔ آنکھ کے اشارے اور پلک کے جھپکنے میں بھی سرعت ہوتی ہے، اس لیے اس کو بھی وحی کہا جاتا ہے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَأَوْحَىٰ إِلَيْهِمْ أَن سَبِّحُوا بُكْرَةً وَعَشِيًّا ﴿۱۱﴾ (۱)

اور اس نے اشارے سے ان کو ہدایت کی کہ صبح و شام تسبیح کرو۔

یہاں اوحیٰ کا معنی رمز و ایما کے ہیں۔ اہل عرب الوحا، الوحا کہتے ہیں۔ اس کے معنی تیزی کے ہیں۔ بعض لوگوں نے وحی کے معنی لکھنا لیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ وحی کے اصل معنی سرّ و اخفا کے ہیں۔ اسی لیے الہام کو وحی کہا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ (۲)

شیاطین ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔

دوسری جگہ ہے:

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مُوسَىٰ (۳)

اور ہم نے موسیٰ کی ماں کے دل میں خیال ڈالا۔

نیز فرمایا:

۱۔ مریم: ۱۱

۲۔ انعام: ۱۲۱

۳۔ قصص: ۷

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ إِلَّا وَحْيًا (۱)

اور کسی آدمی کے لیے ممکن نہیں کہ اللہ اس سے بات کرے، مگر وحی کے ذریعے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ بغیر کسی واسطے کے آدمی کے دل میں القا کرتا اور خیال ڈال دیتا ہے۔(۲)

اس کتاب میں نحوی مسائل اور بلاغت کے نکتے بھی بیان کیے گئے ہیں۔

کتاب الشفاء کی ساتویں اہم خصوصیت اس میں شبہات واعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔ جیسے معجزۂ شق القمر کے بارے میں ایک شبہ اور اعتراض کا ذکر کر کے اس کا یہ جواب دیا ہے:

یہ اعتراض لائقِ اِلتفات نہیں کہ اگر واقعی چاند کے ٹکڑے ہوئے ہوتے تو روئے زمین پر بسنے والے سارے لوگوں سے یہ بات مخفی نہ رہتی، کیوں کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں کہ سارے لوگ اس رات میں آسمان کو دیکھتے رہے ہوں اور اس کے بعد بھی انہوں نے چاند کا ٹکڑے ہونا نہیں دیکھا۔ اور اگر بالفرض یہ بات اتنے سارے لوگوں سے منقول ہوتی، جن کا جھوٹ پر مجتمع ہونا محال ہے، تب بھی چاند کے ٹکڑے ہونے میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں، کیوں کہ چاند کا مدار ایک ہی نہیں ہے، وہ کہیں پہلے طلوع ہوتا ہے اور کہیں بعد میں طلوع ہوتا ہے۔ کبھی ایک ملک میں چاند دکھائی دیتا ہے اور دوسرے ملک میں نہیں دکھائی دیتا۔ بعض ملکوں میں پہاڑ اور بادل چاند کے درمیان حائل ہوجاتے ہیں۔ اسی لیے بعض خطوں میں چاند گرہن ہوتا ہے اور بعض میں نہیں۔ اور بعض میں پورا گرہن لگتا ہے اور بعض میں جزوی لگتا ہے۔ جن علاقوں میں چاند گرہن نہیں لگتا، وہاں کے عام لوگوں کو اسی روز دوسرے علاقے میں چاند گرہن کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ صرف ماہرین فلکیات کو اس کا علم ہوتا ہے۔

۱۔ شوریٰ: ۵۱

۲۔ قاضی عیاضؒ، الشفاء: ج۱، ص ۱۵۸

ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ﴿۳۸﴾ (۱)

یہ (خدائے) غالب وعلیم کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے۔

اس حیثیت سے بھی غور کیجیے کہ اس معجزے کا وقوع رات میں ہوا تھا اور رات کے وقت لوگ گھروں کے دروازے بند کر کے آرام کرتے اور سوتے ہیں۔ اور دنیا کا سارا کاروبار بند رہتا ہے۔ ایسی صورت میں آسمان پر ہونے والی باتوں سے وہی شخص واقف ہو سکتا ہے، جو واقعی اس فکر وجستجو میں لگا ہوا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ آسمان پر ہونے والے بہت سارے عجائب اور بعض بڑے بڑے ستاروں کے طلوع، نیز چاند گرہن وغیرہ سے عام لوگ اُس وقت تک بے خبر رہتے ہیں، جب تک کہ ان کا مشاہدہ کرنے والے ان کو آگاہ اور مطلع نہیں کر دیتے۔ (۲)

اس کے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی انبیائے کرامؑ پر فضیلت، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیوی اُمور ومعاملات میں سہو کا بیان جیسے موضوعات میں بھی وارد اعتراضات اور شکوک وشبہات کو بیان کرنے کے بعد مدلل انداز میں رڈ کرتے ہیں۔

کتاب الشفاء کی آٹھویں اہم خصوصیت معلومات کی کثرت ہے۔ اس سے مصنفؒ کی وسعتِ علم ونظر اور گونا گوں چیزوں سے واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

ثبوت میں چند چیزیں پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ مصنف کو عربوں کے علوم ومعارف، ان کی قدیم تاریخ، خاص خاص عادات و مالوفات اور اہل کتاب کے صحف وروایات سے پوری واقفیت تھی۔ اس سلسلے کی متعدد مباحث کتاب الشفاء میں درج ہیں۔ مثلاً ایک جگہ وہ عربوں کے علوم ومعارف کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ یہ مندرجہ ذیل تھے:

۱۔ انساب، ۲۔ شعر، ۳۔ گزشتہ خبروں، خصوصاً جنگ کے واقعات کا علم۔ (۳)

۱۔ یٰس: ۳۸

۲۔ قاضی عیاضؒ۔ الشفاء: ج ۱، ص ۱۷۶۔۱۷۷

۳۔ قاضی عیاضؒ۔ الشفاء: ج ۲، ص ۳۔۲

دوسری جگہ لکھتے ہیں: عربوں کے تمام علوم و معارف چار چیزوں میں منحصر ہیں: ۱۔ بلاغت، ۲۔ شاعری، ۳۔ کہانت، ۴۔ اخبار و واقعات سے واقفیت۔(۱)

ایک جگہ قرآن کی بلاغت کے ضمن میں عربوں کی بلاغت اور زبان دانی کا حال اس طرح لکھا ہے:

> اہل عرب زبان کے ماہر اور بلاغت میں یکتا تھے۔ حکمت ان کا خاص وصف و امتیاز تھا۔ اس میں اور زبان دانی میں کوئی قوم ان کے ہم پایہ نہ تھی۔ وہ حیرت انگیز قوت اور فصلِ خطاب کے مالک تھے۔ یہ ساری چیزیں خدا نے ان کی سرشت میں ڈال دی تھیں، اس لیے نہایت برجستہ فصیح اور اچھوتا کلام ان کی زبان سے ادا ہوتا تھا۔ وہ مجلسوں اور اجتماعات میں فی البدیہ تقریریں کرتے اور برجستہ اشعار کہتے اور پڑھتے تھے۔ جس کی مدح کرتے، اس کی شان نہایت اعلیٰ وارفع ہو جاتی۔ وہ ممدوح سے اپنا مقصد و مدعا حاصل کر لیتے۔ اور جس کی مذمت کرنے پر آتے، اس کو اپنے زورِ بیان اور بلاغتِ کلام سے نہایت ذلیل، حقیر اور گھٹیا ثابت کر دیتے۔ ان کا کلام صحیح معنوں میں سحرِ حلال تھا۔ اپنے انوکھے طرزِ ادا اور بلیغ کلام کے ذریعے وہ اپنے ممدوح کو ایسا ہار پہنا دیتے، جو موتیوں سے جڑے ہوئے ہار سے بھی زیادہ قیمتی اور خوب صورت معلوم ہوتا تھا۔ ان کی اس خوبی کو دیکھ کر عقل دنگ اور نگاہ ششدر رہ جاتی ہے۔ ان کی فصاحت و بلاغت سے مشکلات فوراً آسان اور حل ہو جاتی تھیں، اور دلوں کا بغض و کینہ دور ہو جاتا تھا۔ کھنڈروں اور مٹی ہوئی یادگاروں میں ہیجان پیدا ہو جاتا تھا، اور بزدل جری بن جاتا تھا۔ بند ہاتھ کشادہ ہو جاتے تھے، یعنی بخیل سخی ہو جاتا تھا۔ ناقص، کامل بن جاتا تھا اور مشہور، گم نام ہو جاتا تھا۔ عرب کے بدیوں اور حضریوں دونوں کا کلام بہت بلیغ و مؤثر اور نہایت واضح ہوتا تھا، جو تیر کی طرح نشانے پر لگتا تھا اور ٹھیک اقتضائے حال کے مطابق ہوتا تھا۔ بلاغت ان کی مطیع اور فرماں بردار

۱۔ قاضی عیاضؒ۔ الشفاء: ص: ۱: ۳۳۱

لونڈی تھی۔ وہ اس کے سارے فنون پر حاوی تھے۔ نظم ونثر دونوں میں ان کو غیر معمولی درک ومہارت تھی۔(۱)

قاضیؒ کتاب الشفاء میں عربوں کی قدیم تاریخ وروایات، ان کے اہم واقعات وحالات اوران کے قدیم اشعار کا بھی تذکرہ کرتے ہیں۔ اسی طرح اہل کتاب کی روایات وواقعات، ان کی تاریخ، ان کے صحف وکتب میں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئیاں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام، اسرائیلیات اوراسفارِ یہود کی غلط روایات کا ذکر بھی کیا ہے۔

یہی نہیں، بل کہ وہ قدیم زمانے کے حکما کے خیالات اورقدیم قوموں کے عادات واطوار بھی کہیں کہیں بیان کرتے ہیں۔ مصنفؒ نے کتاب الشفا میں کئی جگہ ہندوستان، ہندوستانی اقوام ومذاہب اور یہاں کے بعض انبیاء وغیرہ کا ذکر آیا ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مصنف کو ہندوستان کے بارے میں بھی یک گونہ واقفیت تھی۔

کتاب الشفاء میں فقہا ومحدثین کے اجتہادی مذاہب اورمسالک کا بھی ذکر کیا ہے اور اس سلسلے میں چاروں مشہور فقہی مذاہب کے علاوہ مجتہدین اورفقہائے امصار کے اقوال بھی دیے گئے ہیں۔

کتاب الشفاء کی نویں اہم خصوصیت مصنف کا اس کی ترتیب وتالیف میں متعدد کتب سے استفادہ کرنا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے مختلف طبقوں کے جن مصنفین کے نام تحریر کیے ہیں، ان کی طویل فہرست ہے۔ اس میں مختلف طبقوں کے مشاہیر اورائمہ فضل وکمال شامل ہیں، جن میں مفسرین وقرا، محدثین وشارحینِ حدیث، ائمہ رجال اورجرح وتعدیل کے ماہرین، فقہا واصولیین، اہل سیر ومؤرخین، علمائے انساب وجغرافیہ وعربیت کے ائمہ، نحو وبلاغت اور معانی و بیان کے ماہرین اورمشائخ وصوفیہ شامل ہیں۔

کتاب الشفاء بہت مفید اورعظیم الشان کتاب ہے، جو انسانی قلوب پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت وتکریم اورعشق ومحبت کے نقوش ثبت کرتی ہے۔ بلاشبہ الشفاء اس موضوع پر تحریر کی جانے والی جملہ کتب میں انتہائی منفرد اورممیز شان کی حامل ہے۔

۱۔ قاضی عیاضؒ۔ الشفاء: ج۱، ص۱۶۱۔ ۱۶۳

قاضی عیاضؒ سے قبل سیرت نگاری کا تاریخی جائزہ

قرآن کریم کے بعد اسلام کا دوسرا بڑا منبع حیات و سرچشمہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارک ہے، جو تمام بنی نوع انسان کے لیے رحمت و ہدایت کا باعث ہے، جس کی پیروی دنیا و آخرت میں کام یابی کی ضامن ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ہدایت کو اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مشروط کرتے ہوئے فرمایا:

اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ (۱)

اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کرو گے تو ہدایت پاؤ گے۔

گویا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکت کو بنی نوع انسان کے لیے نمونہ قرار دیا، جس کے بغیر قرآن کریم کو نہ سمجھا جا سکتا ہے اور نہ ہی اس پر عمل کیا جا سکتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (۲)

یہی وجہ تھی کہ رسولِ خدا کی ذاتِ گرامی ابتداءِ نبوت ہی سے ان کے اصحاب کی غیر معمولی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی جب ایک مسلمان دوسرے مسلمان سے ملتا تو وہ اس سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حالات دریافت کرتا اور وہ اس کے جواب میں کسی تازہ وحی یا آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کسی تازہ فرمان کا ذکر کرتا۔ غرض صحابہ کرامؓ نے نہ صرف اپنی زندگیوں کو اسوۂ حسنہ کے مطابق ڈھالا، بل کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے ہر گوشے کو قیامت تک کے انسانوں کے لیے محفوظ کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اپنے اعلیٰ اوصافِ حمیدہ کی بنا پر نہ صرف مسلمانوں بل کہ غیر مسلموں کے لیے بھی غیر معمولی توجہ کا مرکز بن گئی تھی۔ عہدِ نبوی میں ہمیں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ کس طرح لوگ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت سے متعلق ایک دوسرے سے سوالات کرتے تھے۔ ہجرت کے موقع پر جب اُمِ معبد سے ان کے شوہر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں پوچھا تو اس کے جواب میں اُمِ معبد نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو الفاظ

۱۔ النور: ۵۴

۲۔ الاحزاب: ۲۱

کہے، وہ سیرت کی کتابوں میں محفوظ ہو چکے ہیں۔ (۱) اسی طرح روم کے بادشاہ قیصر نے ابوسفیان سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں جو سوالات کیے اور ان کے جو جوابات ابوسفیان نے دیے، وہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ ہی سے متعلق ہیں۔ (۲)

صحابہ کرامؓ میں سے جو لوگ شاعری کا ذوق رکھتے تھے انہوں نے اپنے اشعار کے ذریعے سیرتِ مبارکہ کے مختلف پہلوؤں کو اُجاگر کیا۔ مثلاً حسان بن ثابت (۳) عبداللہ بن رواحہ (۴) اور کعب بن مالک (۵) کے اشعار اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جوں جوں زمانہ گزرتا چلا گیا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق و عادات سے متعلق لوگوں کے اندر ذوقِ جستجو بڑھتا چلا گیا۔ اسی ذوق وشوق کا نتیجہ تھا کہ روایات کا ایک وسیع ذخیرہ پیدا ہو گیا جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتا چلا گیا۔ اسی سے فنِ سیرت نگاری کا آغاز ہوا، جو وقت کے ساتھ ساتھ ترقی کرتا چلا گیا۔

صحابہ کرامؓ کے عہد میں روایات و احادیث کو باقاعدہ کتابی شکل میں مرتب نہیں کیا گیا تھا، بل کہ زبانی روایت پر دارومدار تھا۔ البتہ کچھ صحابہؓ کے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال و افعال پر مشتمل ذاتی نوشتے موجود تھے، جو انہوں نے خود قلم بند کیے تھے۔ اصحابِ رسول

۱۔ ابن سعد، محمد بن سعد بن منیع، الطبقات الکبریٰ، بیروت لبنان: داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء: ج۱،ص ۱۱۱

۲۔ الطبری، محمد بن جریر، بن عبداللہ ابوجعفر، تاریخ الامم والملوک، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۷۱ء: ج۲،ص ۴۷۹۔۴۸۰

۳۔ الطبری، تاریخ الامم والملوک: ج۲،ص ۳۷۷، ۳۸۴۔ ابن ہشام، عبدالملک، السیرۃ النبویۃ، تحقیق: مصطفی السقاء، ابراہیم الابیاری، عبدالحفیظ شلبی، بیروت لبنان: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء: ج۲،ص ۲۷۔ ایضاً: ج۲،ص ۱۹۔ ایضاً: ج۱،ص ۴۱۸۔ واقدی، محمد بن عمر بن واقد، کتاب المغازی، تحقیق: الدکتور مارسدن جونس، بیروت لبنان: موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء: ج۱،ص ۳۹۰۔ ایضاً: ج۳،ص ۹۷۷

۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ: ج۴،ص ۲۱۔ ۲۴

۵۔ ایضاً: ج۲،ص ۵۸: ج۲،ص ۱۷، ۲۹۔ الطبری، تاریخ الامم والملوک: ج۲،ص ۴۰۴

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تابعین نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقوال وارشادات کو جمع کرنا شروع کردیا۔ تابعین میں ایسے حضرات موجود تھے، جنہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں خصوصی دل چسپی لی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ مبارکہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غزوات کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ چناں چہ اوّلین سیرت نگاروں نے غزوات سے متعلق روایات کو اکٹھا کیا۔ مغازی کا مطلب ویسے تو وہ جنگیں تھیں، جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شرکت کی تھی، لیکن بعد ازاں اس کا اطلاق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام حیاتِ طیبہ پر کیا جانے لگا۔

پہلی تا دوسری صدی ہجری میں سیرت نگاری کو تین ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا دور وہ تھا جب لوگوں نے مجموعہ ہائے احادیث مرتب کیے۔ ان میں احادیثِ احکام کے ساتھ ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ مبارکہ سے متعلق احادیث بھی موجود تھیں۔ اس دور کے سیرت نگاروں میں ابان بن عثمان (۱۰۰ھ)، عروہ بن زبیر (م ۹۴ھ) اور وھب بن منبہ (م ۱۱۰ھ) شامل ہیں۔ ان لوگوں نے موضوع سیرت کا التزام کیے بغیر دیگر احادیثِ احکام کے ساتھ ساتھ سیرت سے متعلقہ روایات بھی جمع کیں۔

دوسرے دور میں سیرت نگاروں نے غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خصوصی توجہ دی۔ اس دور میں سرکاری سطح پر سیرت نگاری کے فروغ کے لیے کوششیں کی گئیں۔ چناں چہ حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) نے جہاں ابوبکر بن حزم (م ۱۳۰ھ)(۱) اور امام زہری (۱۲۴ھ) کو جمع احادیث پر مامور فرمایا، وہاں آپ نے مغازی وسیر کی طرف بھی توجہ دی اور عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۱ھ) کو حکم دیا کہ وہ حلقہ درس قائم کریں اور مغازی کے مضامین پڑھائیں۔ (۲)

۱۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۱، ص ۲۴۴۔ خطیب بغدادی، احمد بن علی بن ثابت، ابوبکر، تقیید العلم، تحقیق: یوسف العش، داراحیاء السنۃ النبویۃ، ۱۹۷۴ء: ص ۱۰۵۔ الکتانی، محمد بن جعفر، الرسالۃ المستطرفۃ لبیان مشہور کتب السنۃ المشرفۃ، آرام باغ کراچی: نور محمد کارخانہ تجارت ۱۳۷۹ھ، ۱۹۶۰ء: ص ۴

۲۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۲۱۶۔ ابن حجر، احمد بن علی الکنانی العسقلانی، تہذیب التہذیب، تحقیق: مصطفیٰ عبدالقادر عطاء، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۴ء: ج ۵، ص ۵۰

اس دور کے نامور سیرت نگاروں میں عبداللہ بن ابوبکر بن حزم (م ۱۳۰ھ)، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری (۱۲۱ھ) اور ابنِ شہاب زہری (م ۱۲۴ھ) کا نام آتا ہے۔ ان لوگوں نے درسِ مغازی کے حلقے قائم کیے اور باصلاحیت تلامذہ کی ایک جماعت تیار کی، جن کے ناموں کے ساتھ امتیازی لقب ''صاحب المغازی والسّیر'' وابستہ ہے۔

تدوینِ حدیث کا تیسرا دور ان ہی باصلاحیت تلامذہ سے شروع ہوتا ہے۔ ان میں موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ)، معمر بن راشد (م ۱۵۳ھ) اور محمد بن اسحاق بن یسار (م ۱۵۱ھ) کے نام قابل ذکر ہیں۔ ان حضرات نے مغازی پر کتب لکھیں اور اسے ایک مستقل فن کی حیثیت دی۔ بعد کی تمام تصانیف کا دارومدار ان ہی کی کتابوں پر رہا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ (م ۱۴۱ھ) کی مغازی ناپید ہے، لیکن اس کے حوالے بعد کی کتبِ سیرت میں جا بہ جا نظر آتے ہیں۔ ابنِ اسحاق کی سیرت موجود ہے۔ ابنِ ہشام نے اس کی تہذیب و تنقیح کر کے اسے مزید مفید بنا دیا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق کے علاوہ اس دور کے دیگر سیرت نگاروں میں ابو معشر السندی، معمر بن راشد اور معتمر سلیمان بن طرخان کا نام بھی آتا ہے۔

پہلی اور دوسری صدی ہجری کے سیرت نگاروں کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے:

ابان بن عثمانؓ

ابان بن عثمانؓ (۲۰ھ۔۱۰۰ھ) (۱) خلیفہ ثالث حضرت عثمانؓ کے بیٹے تھے۔ آپ حدیث، فقہ اور مغازی کے عالم کی حیثیت سے مشہور تھے۔ آپ نے مغازی کی سب سے پہلی کتاب مرتب کی جسے مغیرہ بن عبدالرحمٰن نے روایت کیا تھا۔ (۲)

جوزف ہوروڈِس کے مطابق یہ مغازی جو اَبان سے مغیرہ نے روایت کیے، اصطلاحی معنوں میں کتاب نہیں تھے، بل کہ سیرت سے متعلق اخبار کا ایک مجموعہ تھے۔ یہ مجموعہ ہم تک

۱۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۷۸۔ ابن کثیر، اسماعیل بن عمر بن کثیر، عماد الدین، ابوالفداء، البدایۃ والنہایۃ، بیروت لبنان: دار المعرفۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء: ج ۹، ص ۲۷۵۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج ۴، ص ۳۵۱۔ النووی، تہذیب الاسماء واللغات: ج ۱، ص ۱۱۱

۲۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۱۰۸

نہیں پہنچ سکا۔ بہ ہر حال ابان کا تذکرہ اس اعتبار سے کیا جا سکتا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے ایک خاص مجموعۂ مغازی فراہم کیا۔(۱)

عروہ بن زبیر

عروہ بن زبیر بن العوام (۲۳ھ/ ۹۴ھ) (۲) حدیث اور مغازی کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ نے مغازی سے متعلق جو مواد اکٹھا کیا تھا، اس کے اجزا کتبِ سیرت میں محفوظ ہیں۔ ابنِ ہشام، واقدی، ابنِ سعد اور طبری سب نے عروہ کی روایات نقل کی ہیں۔ حاجی خلیفہ نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔(۳)

وھب بن منبہ

وھب بن منبہ (۳۴ھ۔ ۱۱۰ھ) (۴) کا شمار بھی اوّلین مغازی نگاروں میں ہوتا ہے۔

۱۔ جوزف ہوروونس، المغازی الاولیٰ ومؤلفوہا، مترجم: حسین نصار، مصر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۳۶۹ھ/۱۹۴۹ء: ص ٦

۲۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۹۱۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ: ج ۹، ص ۱۲۴۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج ۴، ۴۲۱۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان وانباء ابناء الزمان: ج ۲، ص ۲۵۵۔ ابن الجوزی، عبدالرحمٰن بن علی بن محمد، جمال الدین أبوالفرج، صفۃ الصفوۃ، بیروت لبنان: دارالمعرفۃ، الطبعۃ الخامسۃ، ۱۴۲٦ھ/ ۲۰۰۵ء: ج ۲، ص ۴۴۱

۳۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون: ج ۲، ص ۱۷۴۷۔ ابن کثیر کے مطابق ''وھو اوّل من صنّف المغازی۔'' (ترجمہ: وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے مغازی پر تصنیف لکھی۔) البدایۃ والنہایۃ، جلد نمبر ۹، ص ۱۲۴

۴۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۳۵۳۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ٦، ص ۳۵۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج ۲، ص ۵۴۴۔ ابن الجوزی، صفۃ الصفوۃ: ج ۲، ص ۵۷٦۔ النووی، تہذیب الاسماء: ج ۲، ص ۴۴۵۔ الحموی، یاقوت بن عبداللہ الرومی الحموی، ابوعبداللہ، معجم الادباء أو ارشاد الأریب الیٰ معرفۃ الأدیب، بیروت لبنان، دارالکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء: ج ۵، ص ۵۷٦

حاجی خلیفہ نے لکھا ہے کہ انہوں نے مغازی جمع کیے تھے۔(۱) مگر قدیم کتبِ سیرت میں کہیں بھی ان کا حوالہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے راویوں میں نہیں آتا۔ تاہم حاجی خلیفہ کی یہ تحقیق درست ہے، کیوں کہ جوزف ہورووٹس کے مطابق C.h.Becker نے Shott Reinhardt کے ذخیرہ اوراقِ بردی میں جواب ہائیڈل برگ میں محفوظ ہے، وہب کا ایک مجموعہ دریافت کیا ہے۔ جو بہ ظاہر اسی کتاب المغازی کا ٹکڑا معلوم ہوتا ہے۔(۲)

وہب کو یہودیوں اور عیسائیوں کے مذہبی صحائف سے بھی گہری دل چسپی تھی۔(۳) انھوں نے قدیم انبیا کی تاریخ سے متعلق کچھ کتابیں لکھی تھیں۔ بہ قول جوزف ہورووٹس وہب کی یہ ساری کتابیں سیرت کا دیباچہ ہیں اور آں حضرت ﷺ سے قبل کی تاریخ بتاتی ہیں۔(۴)

عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری

عاصم بن عمر بن قتادہ (م ۱۲۰ھ) (۵) کا شمار بھی ان اولین سیرت نگاروں میں ہوتا ہے، جنہوں نے فنِ سیرت و مغازی کو فروغ دیا۔ ابنِ سعد نے لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے حکم سے عاصم دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے

۱۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون: ج ۲، ص ۱۷۴۷۔ القنوجی، صدیق بن حسن، أبجد العلوم، بیروت لبنان: الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء: ج ۲، ص ۲۷۵

۲۔ جوزف ہورووٹس، المغازی الاولیٰ: ص ۳۴

۳۔ الحموی، یاقوت، معجم الأدباء: ج ۵، ص ۵۷۶۔ علامہ ذہبی وہب بن منبہ کے بارے میں لکھتے ہیں: وکان عالماً بالسّیرۃ ''وہب سیرت کے عالم تھے''۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج ۱، ص ۱۰۰۔۱۰۱

۴۔ جوزف ہورووٹس، المغازی الاولیٰ: ص ۳۴

۵۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۲۱۵۔ ۲۱۶۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج ۵، ص ۲۴۰۔ الذہبی، العبر فی خبر من غبر: ج ۱، ص ۱۱۶

مغازی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔(۱)

ابنِ قتیبہ المعارف میں انہیں صاحب السیر و المغازی کہتے ہیں۔ (۲) ابنِ اسحاق، واقدی، ابنِ سعد اور طبری نے اپنی کتابوں میں ان کی روایات بہ کثرت نقل کی ہیں۔

شرحبیل بن سعد

شرحبیل بن سعد (م ۱۲۳ھ) (۳) ایک آزاد کردہ غلام تھے۔ سفیان بن عینیہ کا قول ہے کہ مغازی اور اصحابِ بدر کے حالات کا ان سے بہتر جاننے والا کوئی نہیں تھا۔ (۴) ابنِ اسحاق، واقدی اور طبری نے ان سے کوئی روایت اخذ نہیں کی، البتہ ابنِ سعد نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قباء سے مدینہ کو ہجرت کرنے کی خبر ان سے اخذ کی ہے۔ (۵)

ابن شہاب زہری

محمد بن مسلم بن عبید اللہ بن شہاب الزہری (۵۱ھ۔ ۱۲۴ھ) (۶) بڑے جلیل القدر تابعی تھے۔ حدیث، فقہ، تفسیر، تاریخ اور مغازی و سیر کے عالم تھے۔ حاجی خلیفہ نے ان کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہے۔ (۷) امام زہری سے سیرت و مغازی پر کتاب لکھنے کی فرمائش

۱۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۶۱۶۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ج ۵، ص ۵۰۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمن، شمس الدین أبوالخیر، التحفۃ للطفیۃ فی تاریخ المدینۃ الشریفۃ، بیروت لبنان: دارالکتب العلمیۃ، ۱۴۱۴ / ۱۹۹۳ء: ج ۲، ص ۵

۲۔ ابنِ قتیبہ، عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری، أبومحمد، المعارف، آرام باغ کراچی: قدیمی کتب خانہ، س۔ن: ص ۲۰۵

۳۔ محمد بن سعد۔ الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۵۰۔ الزرکلی، الأعلام: ج ۲، ص ۱۵۹

۴۔ ابن حجر، تہذیب: ج ۴، ص ۲۹۳

۵۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۱، ص ۱۱۴

۶۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۲۲۲۔ الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ج ۵، ص ۳۲۶۔ بن الجوزی، صفوۃ الصفوۃ: ج ۲، ص ۱۳۶۔ النووی، تہذیب الاسماء: ج ۱، ص ۱۰۵۔ الزرکلی، الأعلام: ج ۷، ص ۹۷

۷۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون: ج ۲، ص ۱۷۴۷

خالد بن عبداللہ القسری نے کی تھی۔ اس سلسلے میں زہری کا اپنا بیان ہے کہ انہوں نے خالد بن عبداللہ کی فرمائش پر پہلے شمالی عرب کے قبائل سے متعلق ایک کتاب لکھنی شروع کی تھی، لیکن ابھی وہ مکمل نہیں ہو پائی تھی کہ خالد نے کہا کہ ہمارے لیے سیرت کے موضوع پر ایک کتاب لکھ دیں۔(۱)

عبداللہ بن ابوبکر

عبداللہ بن ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم (م ۱۳۰ھ یا ۱۳۵ھ) (۲) قاضی ابوبکر بن حزم انصاری کے بیٹے ہیں۔ قاضی ابوبکر نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے فرمان کے بعد احادیثِ رسول کو جمع کیا تھا۔ ان کا یہ ذوق ان کے بیٹے عبداللہ میں بھی منتقل ہوا۔

ابنِ اسحاق، واقدی، ابن سعد اور طبری نے عبداللہ بن ابوبکر کے حوالے سے بہ کثرت ایسی روایات نقل کی ہیں، جن کا تعلق نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت اور غزوات سے ہے۔ عبداللہ بن ابوبکر کے ایک بھتیجے عبدالملک بن محمد القاضی (م ۱۷۶ھ) نے بھی ایک کتاب المغازی لکھی تھی۔ (۳) جوزف ہورووٹس کے مطابق گمانِ غالب یہی ہے کہ یہ کتاب انہوں نے اپنے چچا عبداللہ بن ابوبکر سے سنی ہوئی روایات کی روشنی میں مرتب کی ہوگی۔ (۴) اس گمان کو اس بات سے تقویت ملتی ہے کہ ان ہی عبدالملک کے ایک بھائی عبد

۱۔ امام سہیلی کے مطابق "زہری کی کتاب المغازی اس فن کی پہلی تصنیف تھی۔" السہیلی، عبدالرحمٰن بن عبداللہ، ابوالقاسم، الروض الأنف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ہشام: ج ۱، بیروت لبنان: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء: ص ۳۲۵

۲۔ ابو الفرج الصفہانی، علی بن حسین بن محمد، کتاب الأغانی، شرحہ: الاستاذ سمیر جابر، بیروت لبنان: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الرابعۃ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۲ء: ج ۲۲، ص ۶۱

۳۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۲۵۴۔ النووی، تہذیب الاسماء: ج ۱، ص ۲۴۸۔ السخاوی، التحفۃ اللطیفۃ: ج ۲، ص ۲۳

۴۔ ابن الندیم، ابوالفرج محمد بن ابی یعقوب، الفہرست، تحقیق: ڈاکٹر یوسف علی طویل، بیروت، لبنان: الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۲ء: ص ۳۷۴

الرحمٰن نے بہت سے روایات واقدی سے نقل کی ہیں، جو انہوں نے اپنے چچا عبداللہ بن ابوبکر سے اخذ کی تھیں۔(۱)

موسیٰ بن عقبہ

موسیٰ بن عقبہ (۵۵ھ۔۱۴۱ھ)(۲) کا شمار بھی مغازی نگاروں میں ہوتا ہے۔ موسیٰ بن عقبہ نے بھی مغازی پر ایک کتاب لکھی تھی، جس کا ذکر ابن خیر الاشبیلی (۳) اور حاجی خلیفہ (۴) نے کیا ہے۔ اس کتاب کے اصل نسخے کا ایک جز پروشین سٹیٹ لائبریری میں موجود ہے۔ جسے جرمن ترجمے کے ساتھ سخاؤ نے ۱۹۰۴ء میں شائع کیا تھا۔(۵)

موسیٰ بن عقبہ کو تمام محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے۔ امام مالک کا قول ہے کہ موسیٰ بن عقبہ سے مغازی کا علم حاصل کرو، کیوں کہ وہ بھروسے کے قابل ہیں۔(۶) امام احمد بن حنبل بھی ان کی روایتوں کو ثقہ مانتے تھے اور کہتے تھے کہ موسیٰ کی مغازی لے لو، کیوں کہ وہ قابل اور ثقہ ہیں۔(۷) حاجی خلیفہ کے بہ قول موسیٰ بن عقبہ کی مغازی صحیح ترین ہے۔(۸)

موسیٰ بن عقبہ کی روایات ابنِ ہشام، ابنِ سعد، واقدی، طبری، بلاذری اور ابنِ سید الناس نے نقل کی ہیں۔

۱۔ جوزف ہورووٹس، المغازی الاولیٰ: ص ۴۱۔۴۲

۲۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۲۲۷۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج ۶، ص ۱۱۴۔ الذہبی، العبر: ج ۱، ص ۲۴۸

۳۔ ابن الندیم، الفہرست: ص ۹۸

۴۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون: ج ۲، ص ۱۷۴۷

۵۔ جوزف ہورووٹس، المغازی الاولیٰ: ص ۷۱

۶۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج ۱، ص ۱۴۸

۷۔ ایضاً

۸۔ حاجی خلیفہ، کشف الظنون: ج ۲، ص ۱۷۴۷

محمد بن اسحاق

اوّلین سیرت نگاروں میں محمد بن اسحاق بن یسار (۸۵ھ۔۱۵۱ھ) (۱) واحد سیرت نگار ہیں، جن کی کتاب المغازی کا بیش تر حصہ اپنی صحیح، مرتّب اور مدوّن شکل میں ہم تک پہنچا ہے۔

یاقوت حموی نے مرزبانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ محمد بن اسحاق پہلے شخص ہیں، جنہوں نے مغازی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جمع کیا ہے اور اس کو تالیف کی شکل دی ہے۔ (۲)

بعض محدثین نے ابن اسحاق کی ثقاہت پر اعتراض کیا ہے اور ان پر تشیّع کا الزام لگایا ہے۔ احمد بن یونس کہتے ہیں کہ اصحابِ مغازی ابن اسحاق، ابومعشر اور سعید الاموی وغیرہ شیعہ ہیں۔ (۳)

بعض محدّثین نے انہیں اس لیے ضعیف قرار دیا ہے کہ وہ یہود و نصاریٰ سے روایات لیتے تھے۔ (۴) لیکن محدّثین کی اکثریت نے انہیں ثقہ قرار دیا ہے۔

امام زہری کے مطابق جو شخص مغازی کا علم حاصل کرنا چاہے تو وہ ابن اسحاق پر تکیہ کرے۔ (۵)

عاصم بن عمر بن قتادہ ابنِ اسحاق کی علمی فضیلت کے بارے میں فرماتے تھے: جب تک محمد بن اسحاق زندہ ہے، لوگوں میں علم رہے گا۔ (۶)

علمِ حدیث میں اگرچہ ابنِ اسحاق کا رتبہ کم تر ہو، لیکن مغازی کے عالم ہونے میں کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ ان کی ثقاہت کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ امام بخاریؒ نے ان سے

۱۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۲۷۹۔ یاقوت حموی، معجم الأدباء: ج ۵، ص ۲۱۹۔ الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ج ۷، ص ۳۳۔ الزرکلی، الأعلام: ج ۶، ص ۲۸۔ الیافعی، مرآۃ الجنان: ج ۱، ص ۲۴۴

۲۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۲۸۰

۳۔ یاقوت حموی، معجم الأدباء: ج ۵، ص ۲۱۹

۴۔ ایضاً: ج ۵، ص ۲۲۰

۵۔ ابن الندیم، الفہرست: ص ۱۴۸

۶۔ ابن خلکان، وفیات الأعیان: ج ۴، ص ۲۷۴

روایات لی ہیں اور صحیح بخاری میں کتاب المغازی کے پہلے باب کا عنوان ہی ابنِ اسحاق کی روایت سے کیا ہے۔(۱) جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام بخاری بھی ان کو مغازی میں ماہر سمجھتے تھے۔

محمد بن اسحاق کی کتاب تین اجزا پر مشتمل تھی:

۱۔المبتداء ۲۔المبعث ۳۔المغازی (۲)

پہلے حصے المبتدا میں کائنات کی ابتدا سے لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی آباؤ اجداد اور اہلِ مکہ کے عقائد و رسوم، سابقہ انبیا اور عہدِ جاہلیت میں یمن کی تاریخ بھی موجود تھی۔ دوسرے حصے المبعث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی، ہجرتِ مدینہ اور جنگِ بدر سے پہلے تک کے حالات موجود تھے۔اس کے بعد المغازی کتاب کا تیسرا حصہ ہے جس میں جنگِ بدر سے لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات تک کے حالات کا تذکرہ تھا۔

ابن ہشام نے محمد بن اسحاق کی کتاب کی تہذیب و تنقیح کر کے اسے بہتر شکل میں محفوظ کر دیا ہے۔ واقدی، ابن سعد، بلاذری، طبری، ابن الاثیر اور ابن سید النّاس نے ابن اسحاق کی بیش تر روایات کو اپنی اپنی کتابوں کا جزو بنایا ہے۔

معمر بن راشد

معمر بن راشد الازدی (۹۶ھ۔ ۱۵۳ھ) (۳) امام زہری کے باصلاحیت تلامذہ میں سے ایک ہیں۔سیرت و مغازی سے متعلق بہت سی روایات معمر نے امام زہری سے بیان کی ہیں۔ابن الندیم کی الفہرست سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے دیگر کتابوں کے علاوہ کتاب

۱۔الحموی، یاقوت، معجم الأدباء: ج۵،ص۲۲۰

۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، أبوعبداللہ، جامع صحیح، کتاب المغازی، باب غزوۃ العشیرۃ، الریاض: دارالسلام للنشر والتوزیع الطبعۃ الثانیۃ،۱۴۱۹ھ/۱۹۹۹ء:رقم ۳۹۴۹

۳۔محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج۵،ص۵۴۳۔الذہبی، سیر أعلام النبلاء: ج۷،ص۵۔الذہبی، العبر: ج۱،ص۶۹۔الزرکلی، الأعلام: ج۷،ص۲۷۲

المغازی بھی مرتب کی تھی۔(۱) اس کتاب کا ذکرابن العماد نے بھی کیا ہے۔(۲) معمر بن راشد سے واقدی نے بہ کثرت روایات نقل کی ہیں۔ابن سعد نے ان کی روایات عبدالرزاق بن ہمام کے واسطے سے نقل کی ہیں۔ابن الندیم اورابن خیرالاشبیلی کے مطابق عبدالرزاق بن ہمام نے بھی مغازی پرایک کتاب لکھی تھی۔(۳)

ابومعشر السندی

ابومعشر السندی (م ۱۷۰ھ) کا اصل نام عبد الرحمٰن بن الولید بن ہلال تھا۔(۴) ابومعشر کو حدیث، سیرت، مغازی اور تاریخ سے گہری دل چسپی تھی۔ابن الندیم نے ان کا تذکرہ ''عارف بالأ حداث والسّیر'' سے کیا ہے اور لکھا ہے کہ ابومعشر نے مغازی پر کتاب لکھی تھی۔(۵) ابومعشر کی اصل کتاب ناپید ہو چکی ہے، لیکن اس کے اقتباسات واقدی اور ابنِ سعد نے نقل کیے ہیں۔بالخصوص واقدی نے ابومعشر کی بہت زیادہ روایات نقل کی ہیں۔

ابومعشر کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، لیکن امام احمد بن حنبل انہیں مغازی میں بصیرت رکھنے والا کہتے تھے۔(۶)

معتمر سلیمان بن طرخان

معتمر سلیمان بن طرخان (۱۰۶ھ۔۱۸۷ھ) (۷) کا شمار بھی محدثین اورسیرت نگاروں

۱۔ابن الندیم،الفہرست:ص ۱۵۰

۲۔ابن العماد،شذرات الذہب فی أخبار من ذہب: ج ۵،ص ۲۶۶

۳۔ابن الندیم،الفہرست:ص ۳۷۷۔ابن خلکان نے وفیات الأعیان میں لکھا ہے کہ عبدالرزاق بن ہمام معمر بن راشد سے روایات بیان کرتے تھے۔وفیات الاعیان: ج ۲،ص ۲۱۶

۴۔الذہبی،تذکرۃ الحفاظ: ج ۱،ص ۲۳۵۔الذہبی،سیر أعلام النبلاء: ج ۷،ص ۴۳۵۔الذہبی،العبر: ج ۱،ص ۱۹۹

۵۔ابن الندیم،الفہرست،ص ۱۵۰

۶۔الذہبی،تذکرۃ الحفاظ: ج ۱،ص ۲۳۵

۷۔محمد بن سعد،الطبقات الکبریٰ: ج ۷،ص ۱۴۷۔الذہبی،سیر اعلام النبلاء: ج ۸،ص ۴۷۷۔الذہبی، العبر: ج ۱،ص ۲۳۰۔الزرکلی،الاعلام: ج ۷،ص ۲۶۵

میں ہوتا ہے۔ علامہ سخاوی کے مطابق معتمر سلیمان نے مغازی پر ایک کتاب لکھی تھی۔(۱) ابن خیر الاشبیلی نے ان کی کتاب ''سیرۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم'' کا ذکر کیا ہے۔(۲)

ان سیرت نگاروں کے علاوہ علامہ شبلی نعمانی نے ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' میں کئی اور راویانِ سیرت کی فہرست دی ہے، جن کا شمار دوسری صدی ہجری کے سیرت نگاروں میں ہوتا ہے۔

ان سیرت نگاروں میں: محدّث شعبی (م ۱۰۹ھ)(۳)
یعقوب بن عتبہ بن الاخنس (م ۱۳۸ھ)(۴)
عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز اوسی (م ۱۶۲ھ)(۵)
محمد بن صالح بن دینار (م ۱۶۸ھ)(۶)
عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمٰن المخزومی (م ۱۷۰ھ)،(۷)
زیاد بن عبداللہ بن الطفیل البکائی (م ۱۸۳ھ)(۸)

۱۔ السخاوی، محمد بن عبدالرحمن، شمس الدین، الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ، بیروت لبنان، دار الکتب العربی، ۱۳۹۹ھ/۱۹۷۹ء: ص ۸۹

۲۔ الاشبیلی، ابوبکر محمد بن خیر بن عمر بن خلیفہ الاموی، فہرستہ ابن خیر الاشبیلی مارواہ عن شیوخہ من الداوین للصنفۃ فی ضروب العلم انواع المعارف، بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ، س۔ن: ص ۱۹۹

۳۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج ۱، ص ۷۹

۴۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۲۵۱

۵۔ ان کے بارے میں ابن سعد لکھتے ہیں: وکان عالماً بالسّیرۃ (وہ سیرت کے عالم تھے۔) محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۲۹۴

۶۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۲۹۰۔ محمد بن صالح کے بارے میں ابوالزناد کہتے تھے: اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو تو محمد بن صالح سے سیکھو۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ج ۹، ص ۱۹۴۔ السخاوی، التحفۃ اللطیفۃ: ج ۲، ص ۴۸۷

۷۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۲۹۲

۸۔ ایضاً: ج ۶، ص ۵۴۸۔ الذہبی، العبر: ج ۱، ص ۲۲۱

سلمۃ الأبرش بن الفضل (م ۱۹۱ھ)(۱)

ابو محمد یحییٰ بن سعید بن الابان الاموی (م ۱۹۲ھ)(۲)

ولید بن مسلم القرشی (م ۱۹۵ھ)(۳)

اور یونس بن بکیر (م ۱۹۹ھ)(۴) شامل ہیں۔

دوسری صدی ہجری میں ابنِ اسحاق کی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کتاب فنِ سیرت نگاری میں نہ صرف بنیادی کی حیثیت رکھتی ہے، بل کہ بعد کے سیرت نگاروں کے لیے فنِ سیرت کا ایک منہج فراہم کرتی ہے۔ فنِ سیرت نگاری کا یہ سلسلہ تیسری صدی ہجری میں اپنے عروج تک پہنچ گیا ہے۔ اس دور میں سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار سیرت نگاروں کو بہت شہرت اور اہمیت حاصل ہوئی۔ ان میں واقدی (م ۲۰۷ھ)، ابن ہشام (م ۲۱۸ھ)، ابنِ سعد (م ۲۳۰ھ) اور علامہ طبری (م ۳۱۰ھ) شامل ہیں۔ انہوں نے سیرتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جو کتابیں لکھیں، وہ بعد کے تمام سیرت نگاروں کے لیے امہاتِ کتب قرار پائیں۔ بعد کی صدیوں میں لکھی جانے والی تمام سیرت کی کتابوں کا بنیادی ماخذ یہی چار کتابیں ہیں۔

ان چار مشہور سیرت نگاروں کے علاوہ تیسری صدی ہجری میں بلاذری کی دو تصانیف فتوح البلدان اور انساب الاشراف میں بھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق مواد موجود ہے۔ انساب الاشراف کی پہلی جلد سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے۔ چوتھی صدی ہجری میں ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی (م ۳۴۶ھ) کی تین سو صفحات پر مشتمل تاریخ ''التنبیہ و الاشراف'' کا ایک تہائی سے کچھ زائد حصہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق ہے۔

ذیل میں تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں لکھی جانے والی سیرت کی تمام کتابوں اور ان کے مؤلفین کا مختصر تعارف حسبِ ذیل ہے۔

۱۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۷، ص ۱۸۱۔ الذہبی، العبر: ج ۱، ۲۳۸

۲۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۷، ص ۱۶۵

۳۔ ابن الندیم، الفہرست: ص ۱۷۵۔ الاشبیلی، الفہرسۃ: ص ۲۰۳

۴۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۵۵۰

محمد بن عمر الواقدی

ابوعبداللہ محمد بن عمر الواقدی (۱۳۰ھ۔۲۰۷ھ) (۱) اپنے دادا واقد کی نسبت سے واقدی اور قبیلہ بنی اسلام کے عبداللہ بن ابی بریدہ سے نسبتِ ولایت کی وجہ سے الاسلمی کہلاتے ہیں۔ انہوں نے مدینہ کے مشہور محدثین مالک بن انس، معمر بن راشد، ابومعشر السندی اور ابن جریج وغیرہ سے استفادہ کیا تھا۔ (۲) انہیں حدیث کے علاوہ فقہ، سیرت، مغازی اور تاریخ سے دل چسپی تھی۔

ابن الندیم ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

واقدی مغازی، سیر اور فتوح کے عالم تھے، لیکن فقہ، حدیث اور احکام میں لوگوں نے ان سے اختلاف کیا ہے۔ (۳)

واقدی کے سیرت اور مغازی میں متبحر عالم ہونے کے باوجود محدثین نے ان کی ثقاہت سے انکار کیا ہے۔

امام بخاری کے مطابق وہ اس قابل نہیں کہ اس کی روایت قبول کی جائے۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک وہ کذاب ہے، جو حدیث کو پلٹ دیتا ہے۔ (۴) ابن المدائنی کہتے ہیں کہ واقدی نے تیس ہزار غریب احادیث بیان کی ہیں۔ (۵) امام شافعی کے نزدیک واقدی کی تمام روایات جھوٹی ہیں، کیوں کہ وہ اسناد گھڑ کر بیان کرنے کا عادی تھا۔ (۶)

یاقوت حموی کہتے ہیں کہ محدثین کی ایک جماعت ابن معین، ابن ابی حاتم، نسائی، ابن

۱۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۳۰۱۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۴، ص ۳۴۸۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج ۹، ص ۴۵۴۔ الزرکلی، الاعلام: ج ۶، ص ۳۱۱

۲۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ج ۹، ص ۳۱۴

۳۔ ابن الندیم، الفہرست: ص ۱۵۷۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۳۰۱۔ ایضاً: ج ۷، ص ۱۶۳

۴۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ج ۹، ص ۳۱۵۔۳۱۶

۵۔ ایضاً: ج ۹، ص ۳۱۷

۶۔ ایضاً

عدی، ابن راہویہ اور دارقطنی نے اگرچہ انہیں ضعیف قرار دیا ہے، تاہم اخبار الناس، سیر، فقہ اور باقی تمام فنون میں وہ ثقہ ہیں۔(۱)

بعض مؤرخین ومحدثین نے واقدی کی تعریف وتوثیق بھی کی ہے۔

ابن العماد انہیں امام عالم اور کثیر التصانیف بزرگ قرار دیتے ہیں۔(۲) ابنِ سعد کی رائے میں واقدی مغازی، سیرت، فتوحات، احکام اور احادیث سب کے متبحر عالم تھے۔(۳)

یوں تو واقدی کی بہت ساری تصانیف ہیں، لیکن ان کی اصل شہرت کتاب المغازی کی وجہ سے ہے۔ یہی کتاب اپنی مکمل شکل میں ہم تک پہنچی ہے۔ ڈاکٹر مارسڈن جونس نے ۱۹۶۶ء میں کتاب المغازی کا ایک اچھا عربی نسخہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن سے شائع کیا ہے۔

واقدی کی کتاب المغازی میں اگرچہ غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیان ہے، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کا بیان بھی اس میں آ گیا ہے۔

واقدی کی کتاب المغازی کا منہج درج ذیل ہے:

۱۔ کتاب کے شروع میں واقدی نے اپنے گیارہ راویوں کی فہرست دی ہے۔ اس کے بعد تمام غزوات

اور سرّیوں کے نام اور ان کی تاریخیں بیان کی ہیں۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غزوات میں جانے کے بعد جن لوگوں کو مدینہ نائب مقرر کر کے جاتے تھے، ان کے نام درج کیے ہیں۔ نیز ہر ایک غزوہ میں مسلمانوں کے اشعار کے بارے میں لکھا ہے۔

۲۔ ان تمام تفصیلات کے بعد واقدی نے ہر غزوہ کی علیحدہ تفصیل بیان کی ہے، جس میں غزوے کی وجہ تسمیہ، فوجوں کی روانگی اور واپسی کی تاریخیں شروع ہی میں دی ہیں۔ اس کے بعد پورا واقعہ از سرِ نو بیان کرتے ہیں۔ واقعہ کی تفصیل کے بعد ہر غزوہ میں شریک ہونے والے صحابہؓ کے نام، جو صحابہ کرامؓ شہید ہوئے، ان کے نام اور جو کافر قتل ہوئے ان کے

۱۔ الحموی یاقوت، معجم الادباء: ج ۵، ص ۳۹۲۔ ۳۹۳

۲۔ ابن العماد، شذرات الذہب: ج ۲، ص ۷۳

۳۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۵، ص ۳۰۱۔ ایضاً: ج ۷، ص ۱۶۳

ناموں کی فہرستیں دی ہیں۔

ہر غزوے کے سلسلے میں نازل ہونے والی تمام آیاتِ قرآنیہ اوران کی مختصر تفسیر بھی پیش کی ہے۔ الغرض! کتاب المغازی کا شمار سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اہم ترین ماخذوں میں ہوتا ہے۔

عبدالملک بن ہشام

عبدالملک بن ہشام (م ۲۱۸ھ)(۱) نہایت ثقہ اور نامور محدث تھے۔ حمیر کے قبیلہ سے تھے اور غالباً اسی تعلق سے سلاطینِ حمیر کی تاریخ لکھی۔ ابنِ خلکان نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔(۲)

ابنِ ہشام نے ابنِ اسحاق کی سیرت کو زیادہ منقح اور اضافہ کرکے مرتب کیا ہے۔ محدّثین نے ابن ہشام کو ثقہ راوی قرار دیا ہے۔(۳) ابن ہشام نے سیرۃ ابن اسحاق کو زیاد بکائی کی روایت سے بیان کیا ہے۔ زیاد بن عبداللہ بکائی کا شمار صاحب اتقان حفاظِ حدیث میں ہوتا ہے۔

امام بخاری نے اپنی تاریخ میں بکائی کے بارے میں وکیع بن الجراح کا قول نقل کیا ہے کہ: ''زیاد کا مرتبہ اس سے بلند وبرتر ہے کہ وہ حدیث میں غلط بیانی سے کام لیں۔(۴)

امام سہیلی، بکائی کی توثیق کے بارے میں لکھتے ہیں:

> بکائی کی توثیق وتزکیہ کے لیے یہ بات کافی ہے کہ امام بخاری نے کتاب الجہاد اور امام مسلم نے متعدد مقامات پران کی روایتیں نقل کی ہیں۔(۵)

۱۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۳۳۸۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ: ج ۱۰، ص ۲۵۷۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج ۱۰، ص ۴۲۸۔ الذہبی، العبر: ج ۱، ص ۲۹۵

۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۳، ص ۱۷۷۔ السیوطی، عبدالرحمٰن بن ابی بکر جلال الدین، بغیۃ الوعاۃ فی طبقات اللغویین والنحاۃ، جلد نمبر ۲، تحقیق: محمد ابوالفضل ابراہیم، المکتبۃ العصریہ، س۔ن: ص ۱۱۵

۳۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۳۳۸

۴۔ ایضاً: ج ۲، ص ۳۳۹

۵۔ السہیلی، الروض الانف: ج ۱، ص ۲۱

علامہ سخاوی نے اپنی کتاب ''الاعلان بالتوبیخ'' میں سیرت ابن اسحاق کے راویوں میں بکائی اور یونس بن بکیر کا خصوصیت سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ دونوں میں بکائی زیادہ ثقہ ہیں۔(۱)

ابن ہشام نے ''السیرۃ النبویہ'' میں اپنے کام کے بعض پہلوؤں کی وضاحت کی ہے:

میں ان شاء اللہ اس کتاب کو اسماعیلؑ بن ابراہیمؑ کے ذکر سے شروع کروں گا اور اسماعیلؑ سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اسماعیلؑ کی اولاد میں سے یکے بعد دیگرے ان لوگوں کا ذکر ہوگا، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤاجداد میں شامل ہیں...... اختصار کی وجہ سے ان کے سوا حضرت اسماعیلؑ کی اولاد میں سے دوسرے لوگوں کا ذکر نہیں کروں گا۔ اختصار کے پیشِ نظر بعض ایسی روایات کو بھی خارج کروں گا، جن کا ذکر ابنِ اسحاق نے اس کتاب میں کیا ہے، لیکن نہ ان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر ہے، نہ ان کے بارے میں قرآن کریم کی کوئی آیات نازل ہوئیں...... ان اشعار کو بھی شامل نہیں کروں گا جن کے بارے میں ان ماہرینِ شعر کو جن سے میری ملاقات ہوئی، کوئی واقفیت نہیں ہے۔ اسی طرح بعض وہ باتیں بھی نظر انداز کر دی ہیں، جن کے بیان کرنے سے زبان آلودہ ہوتی ہے یا بکائی نے ان کی روایت پر اطمینان ظاہر نہیں کیا۔(۲)

اپنے اس طریقِ کار کی پیروی کرتے ہوئے ابنِ ہشام نے ابنِ اسحاق کی ضعیف روایات کو حذف کر دیا تھا۔ مثلاً واقعہ غرانیق کی روایت۔(۳) بہت سارے اشعار بھی ابنِ ہشام نے حذف کر دیے تھے۔ مثلاً ابنِ اسحاق نے ایک قصیدہ حضرت علیؓ بن ابی طالب کی جانب منسوخ کیا ہے۔ اس پر نقد کرتے ہوئے ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ یہ قصیدہ حضرت علیؓ کی بہ جائے کسی اور کا ہے، جیسا کہ بعض علمائے شعر نے مجھ سے اس کا ذکر کیا ہے۔ ماہرینِ شعر

۱۔ السخاوی، الاعلان بالتوبیخ، ص ۸۸

۲۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ج ۱، ص ۳۶

۳۔ ایضاً: ج ۱، ص ۴۰۲

میں سے کسی شخص کو میں نے نہیں دیکھا جو اسے حضرت علیؓ کا قرار دیتا ہو۔(۱)

حضرت حسان بن ثابتؓ کے جواب میں ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلب کا ایک کافیہ قصیدہ ہے، جس کے دس اشعار ابنِ ہشام نے نقل کیے ہیں۔اس کے بعد لکھتے ہیں:

> اس قصیدہ میں کچھ شعر باقی رہ گئے ہیں، جنہیں ہم نے اس لیے چھوڑ دیا ہے کہ ان کے قوافی میں قبیح اختلاف پایا جاتا ہے۔(۲)

ابنِ ہشام نے واقعاتِ سیرت کے ضمن میں قرآنی آیات بھی پیش کی ہیں اور آیات میں موجود مشکل الفاظ کی تشریح وتوضیح کی۔ابنِ ہشام نے اپنی سیرت میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نسب نامے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت، رضاعت، طفولیت کے حالات، عنفوشباب، حضرت خدیجہؓ سے نکاح، نبوت، مشرکینِ مکہ کی مخالفت اور ان کا طرزِ عمل، ہجرتِ مدینہ، یہودیوں سے عہد نامہ، مواخات، غزوات، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی علالت و وفات، آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کی سوانح، الغرض! سیرتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کیا ہے۔

محمد بن سعد

محمد بن سعد بن منیع الزہری (۱۶۸ھ۔۲۳۰ھ)(۳) کی الطبقات الکبریٰ کا شمار سیرتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بنیادی مآخذوں میں ہوتا ہے۔ابنِ سعد کو محدثین ومؤرخین نے ثقہ قرار دیا ہے۔خطیب بغدادی کا قول ہے:

> محمد بن سعد ہمارے نزدیک عادل راویوں میں سے ایک ہیں۔ان کی روایت ہی ان کی سچائی کو ظاہر کردیتی ہے، کیوں کہ وہ اکثر روایات میں حقیقت کو دریافت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔(۴)

۱۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ج۲،ص۱۱۱

۲۔ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ج۲،ص ۲۳۴۔۲۳۵

۳۔ابن الندیم، الفہرست: ص۱۵۸۔الذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج۱۰،ص ۶۶۴۔الزرکلی، الاعلام: ج۶،ص۱۳۶

۴۔ابن حجر، تہذیب التہذیب: ج۹،ص۱۵۶

ابنِ خلکان نے بھی انہیں صدوق وثقہ بتایا ہے۔(۱)

ابنِ حجر عسقلانی کے مطابق **احد الحفاظ الکبار الثقات المتبحرین**۔(۲)

الطبقات الکبریٰ کے پہلے دو اجزا نبی اکرم ﷺ کے حالاتِ زندگی سے متعلق ہیں۔ پہلے جزء میں سابقہ انبیا کی تاریخ، رسول اللہ ﷺ کے آباؤ اجداد اور آپ ﷺ کے ایامِ طفولیت سے زمانۂ بعثت تک کا حال بیان کیا گیا ہے۔ وحی اول سے پہلے اور بعد کی علاماتِ نبوّت بیان ہوئی ہیں۔ پھر آپ ﷺ کی طرف سے اولین دعوت وتبلیغ سے لے کر ہجرتِ مدینہ تک کے واقعات تحریر کیے گئے ہیں۔ اسی جزو میں آں حضرت ﷺ کی مدنی زندگی کے واقعات ہیں، جن میں ابنِ سعد نے رسول اللہ ﷺ کے فرامین، عرب قبائل کے وفود، آپ ﷺ کے شمائل، طرزِ زندگی اور اثاث البیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرا جز غزواتِ نبوی ﷺ، مرض الموت، انتقال، تدفین اور میراث کے ذکر پر مشتمل ہے۔ آخر میں ابنِ سعد نے وہ تمام مرثیے بھی نقل کیے ہیں، جو مختلف اصحاب نے آپ ﷺ کی وفات پر رقم کیے۔

ابنِ سعد نے زیادہ تر روایات واقدی سے نقل کی ہیں۔ واقدی کے علاوہ ابنِ اسحاق، ابو معشر اور موسیٰ بن عقبہ کی روایات بھی نقل کی ہیں۔

جس طرح ابنِ ہشام نے ابنِ اسحاق کی سیرت کی تہذیب وتنقیح کی، اسی طرح ابنِ سعد نے واقدی کی روایات میں سے ان روایات کو لیا، جو ابنِ سعد کے نزدیک صحیح تھیں۔ ابنِ سعد نے اپنی سیرت میں جزئیات، توسع اور تنوع کی طرف توجہ دی ہے۔ ابنِ سعد نے بہت سے ایسے موضوعات بھی درج کیے ہیں، جن کی طرف واقدی نے توجہ نہیں دی۔ مثلاً واقدی نے عہدِ جاہلیت کی تاریخ کی طرف بہت کم توجہ دی ہے، اسی لیے قدیم انساب اور تاریخِ انبیاؑ کے ابواب میں ابنِ سعد نے ہشام بن محمد بن السائب الکلبی کی روایات نقل کی ہیں۔

۱۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۴، ص ۳۵۱۔ ۳۵۲

۲۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ج ۹، ص ۱۵۶

ابنِ سعد کے تمام راویوں میں تین راوی ایسے ہیں، جنہیں محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے، یعنی ہشام بن محمد بن السائب الکلبی،(۱) واقدی(۲) اور ابو معشر السندی۔(۳)

ابنِ سعد نے الطبقات میں زیادہ تر روایات نقل کی ہیں، اپنی رائے کا اظہار کہیں کہیں کیا ہے۔ کچھ مقامات پر غلط روایات کی نشان دہی کرتے ہوئے صحیح قول بیان کیا ہے۔ مثلاً

معد بن عدنان کے نسب میں علما کے درمیان اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس پر ابنِ سعد نے حاشیہ دیا ہے: **ولم ار بینھم اختلافاً۔**(۴)

ایک روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ کے والد کا جب انتقال ہوا تو اس وقت حضور ﷺ حمل میں تھے، جب کہ بعض نے آپ ﷺ کی عمر ۲۸ ماہ بیان کی ہے، بعض نے سات ماہ بیان کی ہے، مگر ابنِ سعد لکھتے ہیں:

والأوّل أثبت أنه توفی ورسول اللّٰہ ﷺ، حمل (۵)

اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے اور وہاں روئے۔ ابنِ سعد کہتا ہے کہ یہ غلط ہے:

لیس قبرھا بمکۃ وقبرھا بالأبواء (۶)

الطبقات الکبریٰ کی اہمیت کے پیش نظر بعد کے تمام مؤلفین نے ابنِ سعد کی خوشہ چینی کی ہے اور جس طرح ابنِ سعد نے سیرت کے مواد کو ابواب میں تقسیم کیا ہے، بعد میں آنے والے کئی سیرت نگاروں نے اسی انداز پر اپنی کتابیں مرتب کی ہیں۔

۱۔ الحموی یاقوت، معجم الادباء: ج۵، ص۵۹۵

۲۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ج۹، ص۳۱۴۔۳۱۷

۳۔ الذہبی، تذکرۃ الحفاظ: ج۱، ص۲۳۵۔ حاکم، محمد بن عبداللہ بن محمد بن حمدویۃ النیسابوری، أبوعبداللہ، المدخل إلی الصحیح، تحقیق: ربیع بن ھادی عمیر المدخلی، مؤسسۃ الرسالۃ، س۔ن: ص۲۲۰

۴۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج۱، ص۲۵

۵۔ ایضاً: ج۱، ص۴۶

۶۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج۱، ص۵۵

محمد بن جریر طبری

علامہ محمد بن جریر طبری (۳۱۰ / ۲۲۴ھ) (۱) بہت بڑی محدث، مفسر، فقیہ اور مؤرخ تھے۔

ابنِ خلکان ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ابن جریر تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ اور دیگر کئی فنون میں امام تھے۔ (۲)

خطیب بغدادی کے مطابق:

ابن جریر امام علما تھے۔ آپ کی فضیلت و معرفتِ علم کی وجہ سے آپ کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا تھا۔

بہت زیادہ علوم وفنون میں کمال رکھتے تھے۔ آپ کے عہد کا کوئی شخص اس میں آپ کی برابری نہیں کر سکا۔ (۳)

علامہ طبری کی ''تاریخ الامم والملوک'' تاریخی سلسلے کی سب سے جامع اور مفصّل کتاب ہے۔ تاریخ الامم کا آغاز تخلیقِ کائنات اور تخلیقِ آدم سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد تاریخ الانبیاء، قدیم بادشاہوں اور قوموں کے حالات ہیں۔ بعد ازاں فارس، یونان اور روم کے حالات کا تذکرہ ہے۔ تاریخ الامم کی دوسری جلد مکمل، جب کہ تیسری جلد کا کچھ حصہ سیرت النبی ﷺ کے اخبار و واقعات پر مشتمل ہے۔ علامہ طبری نے نہایت تفصیل سے آں حضرت ﷺ کے نسب سے لے کر وفات تک چھوٹے بڑے تمام واقعات کا احاطہ کیا ہے۔

۱۔ الحموی یاقوت، معجم الأدباء: ج ۵، ص ۲۴۲۔ النووی، تہذیب الاسماء: ج ۱، ص ۹۵۔ الذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج ۱۴، ص ۲۶۷۔ الزرکلی، الأعلام: ج ۲، ص ۶۹۔ ابن حجر، أحمد بن علی العسقلانی، أبوالفضل، لسان المیزان، تحقیق: محمد عبد الرحمٰن المرعشلی، بیروت لبنان دار الکتب العلمیہ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۶ء: ج ۵، ص ۱۰۸۔ الذہبی، محمد بن احمد، شمس الدین، أبوعبداللہ، میزان الاعتدال فی نقد الرجال، بیروت لبنان: دار الکتب العلمیہ الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۶ھ/ ۱۹۹۵ء: ج ۶، ص ۹۰

۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۴، ص ۱۹۱

۳۔ ابن حجر، لسان المیزان: ج ۵، ص ۱۰۹

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تفصیلات کے لیے مصنف نے اولین سیرت نگاروں مثلاً عروہ بن زبیر، عاصم بن عمر، ابنِ شہاب زہری، معمر بن راشد، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق کی روایات کو اپنا ماخذ بنایا ہے۔

اس کے علاوہ واقدی اور ابنِ سعد کی کتابوں کے کثیر اقتباسات نقل کیے ہیں۔

واقدی، ابنِ ہشام، ابنِ سعد اور علامہ طبری نے سیرت نگاری کے فن کو عروج تک پہنچا دیا۔ ان تمام سیرت نگاروں کی کتابیں امہاتِ کتب قرار پائیں۔ بعد کی صدیوں کے تمام سیرت نگاروں نے ان بنیادی کتب سے استفادہ کیا۔

ان ائمہ فنِ سیرت کے علاوہ اس دور میں کچھ اور لوگوں نے بھی سیرت کے موضوع پر کتابیں لکھیں۔ ان میں احمد بن یحییٰ بلاذری، علامہ یعقوبی، ابن حبیب اور مسعودی کی کتابیں قابلِ ذکر ہیں۔ شمائلِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر علامہ ترمذی کی کتاب بھی سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک اہم ماخذ ہے۔

احمد بن یحییٰ بن جابر البلاذری (م ۲۷۹ھ) (۱) کا تعلق بغداد سے تھا۔ ابنِ سعد کے معاصر تھے۔

یاقوت حموی کے مطابق: احمد بن یحییٰ بن جابر عالم و فاضل، شاعر اور علم الانساب کے ماہر تھے۔ (۲)

علامہ بلاذری کی دو تصانیف کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی۔ ایک کا تعلق انساب سے ہے، جس کا نام انساب الاشراف ہے۔ دوسری کتاب فتوح البلدان ہے۔ انساب الاشراف کی پہلی جلد سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے حضرت آدمؑ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد، خاندانِ قریش اور ان کی ذمے داریاں، نبی

۱۔ الحموی یاقوت، معجم الادباء: ج ۲، ص ۴۸۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایۃ: ج ۱۱، ص ۷۷۔ الزرکلی، الاعلام: ج ۱، ص ۲۶۷۔ محمد بن شاکر الکتبی، فوات الوفیات، تحقیق: ڈاکٹر احسان عباس: ج ۱، بیروت لبنان: دارِ صادر، س۔ن: ص ۵۵

۲۔ الحموی یاقوت، معجم الادباء: ج ۲، ص ۵۰

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ابتدائی زندگی، بعثتِ نبوی، مخالفتِ قریش، قبائلِ عرب کو دعوت، بیعتِ عقبہ اولیٰ وثانیہ، ہجرت اور غزوات کو مختصر بیان کیا ہے۔ دوسری جلد شمائلِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صفاتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج واولاد، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لباس اور وفات وغیرہ کے بیان پر مشتمل ہے۔

بلاذری نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مواد ابنِ اسحاق، واقدی اور ابنِ سعد سے لیا ہے۔ اس کے علاوہ ابتدائی سیرت نگاروں عروہ بن زبیر، موسیٰ بن عقبہ، عاصم بن قتادہ، معمر بن راشد، زہری اور ابومعشر کی بہت سی روایات بیان کی ہیں۔

علامہ بلاذری نے اسناد کی پابندی کی ہے اور بہت سی روایات خود اپنی اسناد سے بیان کی ہیں۔

احمد بن اسحاق بن ابی یعقوب (الیعقوبی)

احمد بن اسحاق بن ابی یعقوب بن جعفر بن وہب بن واضح الیعقوبی (م ۲۸۴ھ) (۱) کی تاریخ پر مشہور کتاب کا نام یاقوت حموی نے ''کتاب التاریخ الکبیر'' بتایا ہے۔ یعقوبی نے اپنی تاریخ عالمی رنگ میں لکھی ہے۔ چناں چہ حضرت آدم سے آغاز کیا ہے اور دوسرے انبیائے کرامؑ کے تذکرے سے گزرتے ہوئے ایران وعرب کی ماقبل اسلام تاریخ بتائی ہے۔ جزوِثانی کا آغاز آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے ہوتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات کے چیدہ چیدہ واقعات کا ذکر کرتے ہوئے خلفائے راشدین بنواُمیّہ اور بنوعباس کی عہد بہ عہد تاریخ بیان کرتے ہوئے بالآخر عباسی خلیفہ احمد المعتمد کے زمانے پر اختتام پذیر ہوتا ہے۔

علی بن حسین المسعودی

ابوالحسن علی بن الحسین بن علی المسعودی (م ۳۴۶ھ) (۲) کی تقریباً تین سوصفحات پر

۱۔ الحموی یاقوت، معجم الادباء: ج ۲، ص ۸۲۔ الزرکلی، الأعلام: ج ۱، ص ۹۵

۲۔ الحموی یاقوت، معجم الادباء: ج ۴، ص ۸۴۔ الزرکلی، الأعلام: ج ۴، ص ۲۷۷۔ محمد بن شاکر الکتبی، فوات الوفیات: ج ۲، ص ۱۲

مشتمل تاریخ ''التنبیہ والشراف'' کا ایک تہائی سے کچھ زائد حصہ سیرتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب چار حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، دوسرا حصہ خلفائے راشدین، تیسرا حصہ بنواُمیّہ اور چوتھا حصہ بنوعباس کے خلیفہ المطیع تک کے حالات پر مشتمل ہے۔

سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلسلۂ نسب، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت، رضاعت مدینہ میں آغازِ طفولیت، بعثت، ہجرت اور بعد از ہجرت تا وفات شامل ہیں۔غزوات اور اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوششوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس حصے کا اختتام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات اور کاتبانِ وحی پر ہوتا ہے۔

محمد بن حبیب

ابوجعفر محمد بن حبیب (م ۲۴۵ھ) (۱) کی کتاب المحبّر میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ جن میں غزواتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فہرست، سرایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فہرست، امراءِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، موالی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اصحاب الایلاف اشرافِ قریش، قبائلِ حلف الفضول، قبائل عرب، ائمۃ العرب، ان لوگوں کے نام جنہیں ابوبکرؓ نے خرید کر آزاد کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقبا کے نام، بدر میں شامل صحابہؓ کے نام جیسے موضوعات شامل ہیں۔

یہ کتاب نہایت مختصر ہے۔ مصنف نے اسناد کا ذکر بھی نہیں کیا۔ یہ کتاب سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات کی تفصیل کی بہ جائے سیرتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کچھ اہم پہلوؤں کے بارے میں معلومات پر مشتمل ہے۔

محمد بن عیسیٰ الترمذی

محمد بن عیسیٰ الترمذی (۲۰۹/ ۲۷۹ھ) (۲) کی شمائل ترمذی کو کتبِ شمائل میں اوّلیت کا

۱۔الحموی یاقوت، معجم الادباء: ج ۵، ص ۲۸۶۔الزرکلی، الأعلام: ج ۶، ص ۸۷۔السیوطی، بغیۃ الوعاۃ: ج ۱، ص ۷۳۔۷۴

۲۔ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۴، ص ۲۷۸۔الزرکلی، الاعلام: ج ۶، ص ۳۲۲

درجہ حاصل ہے۔اس کا اصل نام ''الشمائل النبویۃ والخصائل المصطفویۃ'' ہے۔الشمائل النبویہ میں چار سو احادیث اور ۵۶ ابواب ہیں۔ اس کتاب میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلیہ مبارک، لباس، آلاتِ حرب، نشست و برخاست، خورد و نوش، عادات و خصائل، معمولات وعبادات وغیرہ کا ذکر ہے۔امام ترمذی نے تمام احادیث اسناد کے ساتھ بیان کی ہیں۔ضعیف اور غریب احادیث کی نشان دہی کی ہے۔اسناد میں موجود کئی راویوں کے ناموں کی وضاحت بھی کی ہے۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں لکھی جانے والی کتبِ سیرت، سیرتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہیں۔ ان کتابوں کو سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بنیادی ماخذ کی حیثیت حاصل ہے۔ بعد کے سیرت نگاروں نے جو کچھ لکھا، وہ ان ہی کتابوں سے اخذ و انتخاب کر کے لکھا گیا۔ پانچویں صدی ہجری کی کچھ کتبِ سیرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات و خصائص پر تفصیلی مواد پیش کرتی ہیں، لیکن غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختصار سے پیش کیا ہے۔ عبدالملک بن عثمان الخرکوشی کی ''شرف المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خصائص و معجزات کا ذکر ہے۔علامہ ابنِ حزم اور ابنِ عبدالبرّ کی کتبِ سیرت میں جامعیت اور اختصار کا پہلو نمایاں نظر آتا ہے۔اس دور کی اہم کتبِ سیرت کا تعارف درجِ ذیل ہے۔

عبدالملک ابوسعید النیسابوری

عبدالملک بن ابی عثمان محمد بن ابراہیم ابوسعید الخرکوشی النیسابوری (۴۰۷ھ)(۱) کا شمار پانچویں صدی ہجری کے اہم سیرت نگاروں میں ہوتا ہے۔سیرتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ان کی کتاب کا نام ''شرف المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کل ۱۱۲ ابواب پر مشتمل ہے۔ ہر باب مزید متعدد ذیلی ابواب میں منقسم ہے۔

مؤلف نے سب سے پہلے نمرود، سطیح بن ربیع، سیف بن ذی یزین کے قصے بیان کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے لے کر وفات تک کے تمام واقعات کو مختلف ابواب کے

۱۔الذہبی، سیر اعلام النبلاء: ج ۱۷،ص ۲۵۶۔اسماعیل باشا البغدادی، ہدیۃ العارفین اسماء المؤمنین و آثار المصنفین، بیروت لبنان: دار احیاء التراث العربی ۱۹۵۱ء: ج ۵،ص ۴۰۷۔الزرکلی، الاعلام: ج ۴،ص ۱۶۳

تحت اور تاریخی تسلسل سے بیان کیا ہے۔ مکی اور مدنی زندگی کے واقعات بیان کرنے کے علاوہ مؤلف نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی نشانیاں، اسمائے گرامی، صفات و اخلاق، قبر مبارک کی فضیلت اور زیارت، نیز شہداء کے فضائل بیان کیے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواجِ مطہرات، اموال، موالی، تلواروں، زرہوں، جانوروں کو الگ الگ باب کے تحت ذکر کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معجزات و دلائل، فضائل و خصائص، دعائیں اور اذکار، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود و سلام بھیجنا وغیرہ اس کتاب کے اہم موضوعات ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فضائل و خصائص بیان کرنے کے علاوہ عرب کی فضیلت، مہاجرین و انصار، اہلِ بیت اور صحابہ کرامؓ کے فضائل و مناقب بیان کرنے کے بعد آخر میں اُمتِ محمدیہ کی تمام اُمتوں پر فضیلت، لواء الحمد اور شفاعتِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ کیا ہے۔

شرفِ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مؤلف نے بعض روایات کی مکمل اسناد درج کی ہیں اور بعض کی نہیں کیں۔ اس میں بعض احادیث شدید ضعیف ہیں۔ علامہ شبلی نعمانی کے مطابق:

> حافظ ابوسعید عبدالملک نیشاپوری کی تصنیف ہے۔ آٹھ جلدوں میں ہے۔ حافظ ابن حجر اصابہ میں اکثر اس کا حوالہ دیتے ہیں، لیکن جو روایتیں حافظ موصوف نے نقل کی ہیں، ان میں بعض نہایت مہمل اور لغو روایتیں ہیں۔ جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہیں رکھی۔(۱)

ابنِ حزم ظاہری

ابو محمد علی بن احمد بن سعید بن حزم الظاہری (۳۸۴/۴۵۶ھ)(۲) کی جوامع السیرۃ سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک جامع اور مختصر کتاب ہے۔ اس کتاب میں مصنف نے انبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت، بعثت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کا مختصر ذکر کرنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلان حج، عمرہ، غزوات کی تعداد اور نام، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات و اسماء،

۱۔ شبلی نعمانی، علامہ، سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ج۱، لاہور، ادارہ اسلامیات: ص ۵۱

۲۔ ابن خلکان، وفیات الاعیان: ج ۲، ص ۳۲۵۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ: ج ۱۲، ص ۵۵۳۔ ابن العماد، شذرات الذہب: ج ۵، ص ۲۳۹۔ ۲۴۹۔ الزرکلی، الاعلام: ج ۴، ص ۲۵۴

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امرا کے نام، زمانۂ جاہلیت کے دوستوں کے نام، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مؤذنین، خدام، شعرا، خطبا، سفرا، ازواج واولاد، پہلی وحی کا نزول، اوّلین مسلمان، ہجرتِ حبشہ، اسراء و معراج، بیعتِ عقبہ اولیٰ وثانیہ، ہجرتِ مدینہ، مواخات، غزوات، وفود العرب، حجۃ الوداع اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بارے میں مختصراً لکھا ہے۔

ابنِ حزم نے اپنی سیرت کے دو مآخذ کا ذکر کیا ہے۔ ایک ابوحسان زیادی کی تاریخ ہے اور دوسرے خلیفہ بن خیاط کی تاریخ۔ ان کے علاوہ ابنِ اسحاق، موسیٰ بن عقبہ، سعید بن یحییٰ اُموی، ابوداوٗد السجستانی اور ابنِ قتیبہ کی اعلام النبوۃ سے بھی مواد لیا ہے۔

ابنِ حزم نے اپنے شیخ اور معاصر ابنِ عبدالبرّ کی الدرر فی اختصار المغازی والسیر سے بھی استفادہ کیا ہے۔(۱)

واقعات کی تاریخ کے سلسلے میں ابنِ حزم کی اپنی مستقل رائے ہے۔ وہ ماہِ ربیع الاوّل کو جس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی، ہجری تقویم کا پہلا مہینہ قرار دیتے ہیں (۲) اور اسی سے واقعاتِ سیرت لکھتے ہیں۔ ابنِ حزم متفرق مواد کو ایک عنوان کے تحت جمع کر دیتے ہیں۔ مثلاً ایک فصل میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے امرا کے نام لکھتے ہیں۔ (۳) دوسری میں سراپا درج کرتے ہیں۔ (۴) اور تیسری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج واولاد کا تذکرہ کرتے ہیں۔ (۵)

ابنِ حزم اپنی رائے فیصلہ کن قطعیت کے ساتھ پیش کرتے ہیں اور اس ضمن میں ''لاشک'' اور ''لابد'' (۶) کے الفاظ بارہا استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً بعض لوگوں کا خیال ہے کہ

۱۔ ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد بن سعید، جوامع السیرۃ وخمس رسائل اُخری، تحقیق: احسان عباس، مصر: دار المعارف، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۰۰ء: ص ۳۔۴

۲۔ ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد بن سعید، جوامع السیرۃ وخمس رسائل اُخری: ص ۱۰۰

۳۔ ایضاً: ص ۲۳

۴۔ ایضاً: ص ۱۷

۵۔ ایضاً: ص ۳۱، ۳۸

۶۔ ایضاً: ص ۲۰۶۔۲۰۷

صلح حدیبیہ میں مسلمانوں کی تعداد سات سو تھی، مگر ابنِ حزم کہتے ہیں کہ یہ قطعی طور پر شدید وہم ہے۔ان کی صحیح تعداد جس میں کوئی شک نہیں، تیرہ سو سے پندرہ سو تک تھی۔(۱)

دیگر کئی واقعات میں بھی ابنِ حزم کی اپنی ایک مستقل رائے ہے۔

ابنِ حزم نے سیرت النبی ﷺ کا وہ بنیادی مواد پیش کیا ہے، جس سے سیرت کا کوئی طالبِ علم بے نیاز نہیں رہ سکتا۔

ابنِ عبدالبرّ قرطبی

یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبدالبرّ قرطبی (۳۶۸/ ۴۶۳ھ)(۲) اس دور کے ایک اور نام ور سیرت نگار ہیں۔ الدرر فی اختصار المغازی والسیر سیرت پر ان کی ایک مشہور کتاب ہے۔انہوں نے یہ کتاب نبی اکرم ﷺ کی بعثت اور اس کے بعد کے حالات و واقعات پر لکھی ہے۔ مصنّف نے مقدمے میں موسیٰ بن عقبہ اور ابنِ اسحاق کی کتاب کو اپنا مآخذ بتایا ہے۔(۳) ابنِ عبدالبرّ نے سیرت ابنِ اسحاق کے سلسلے میں صرف ابنِ ہشام کی روایت پر قناعت نہیں کی، بل کہ اس کے ساتھ ساتھ یونس بن بکیر اور ابراہیم بن سعد کی روایات کو بھی پیش نظر رکھا ہے۔بعض واقعات کے ذکر میں سعید بن یحییٰ اُموی کا نام بھی آیا ہے، گویا کہ اُموی کی کتاب السیر بھی ابنِ عبدالبر کا ایک مآخذ تھی۔

اسناد کے سلسلے میں ابنِ عبدالبرّ کا طریقۂ کار یہ ہے کہ کبھی تو پوری سند ذکر کرتے ہیں اور کبھی سند مختصر کر دیتے ہیں اور اس کے راویوں کا مکمل سلسلہ درج نہیں کرتے، بل کہ اس طرح کی عبارتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ روی عن عبادۃ بن الصامت، قال ابن شہاب الزہری، قال

۱۔ جوامع السیر ۃ وخمس رسائل اُخری: ص ۲۰۷

۲۔ الذہبی، العبر: ج ۲، ص ۳۱۶۔ ابن العماد، شذرات الذہب: ج ۵، ص ۲۶۲۔ الزرکلی، الاعلام: ج ۸، ص ۲۴۰۔ محمد بن محمد مخلوف، شجرۃ النور الزکیۃ فی طبقات المالکیۃ، بیروت، لبنان: دارالکتب العربی، ۱۳۴۹ھ: ص ۱۱۹

۳۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ القرطبی۔ الدرر فی اختصار المغازی والسیر، القاہرۃ: ۱۳۸۶ھ/ ۱۹۶۶ء: ص ۳۹

معمر وغیرہ۔

ابنِ عبدالبرّ کا بیان ہے کہ انہوں نے اپنی کتاب کی بنیاد ابنِ اسحاق کے نہج پر رکھی ہے۔(۱)

بعد کے سیرت نگاروں میں ابنِ حزم اور بالخصوص ابنِ سید النّاس نے الدّرر سے بالخصوص استفادہ کیا ہے۔ ابن سید النّاس نے اپنی طویل سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں ابنِ عبدالبرّ کو ایک مستقل مآخذ کے طور پر پیشِ نظر رکھا ہے۔

قاضی عیاض سے قبل سیرت نگاری کی خصوصیات

سیرت نگاری کے تاریخی جائزے سے یہ حقیقت نمایاں ہوتی ہے کہ قاضی عیاض سے قبل سیرت نگاری باقاعدہ ایک فن کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ اس میں جہاں سیرت نگاروں نے علمی لحاظ سے کام کیا، وہاں اس میں ان کا جذبۂ عشق و محبت بھی شامل تھا۔ پہلی صدی ہجری سے قاضی عیاض کے عہد تک کے سیرت نگاروں کے تاریخی جائزے سے ان ادوار کی مندرجہ ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں۔

قاضی عیاض سے قبل سیرت نگاری کی خصوصیات کو ان کے ادوار کے تحت بیان کیا جائے گا۔ پہلی اور دوسری صدی ہجری میں سیرت نگاروں کے حالات اور بعد کی کتبِ سیرت میں ان کی روایات کا جائزہ لینے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ دوسری صدی ہجری کے نصف تک اس علم نے باقاعدہ ایک فن کی شکل اختیار کر لی تھی۔ حدیث اور تفسیر کی طرح بہت سے لوگوں نے اس علم کی تحصیل و تدریس میں اپنی مساعی صرف کیں۔ اس دور کی سیرت نگاری کا جائزہ لینے کے بعد فنِ سیرت نگاری کی درج ذیل خصوصیات نظر آتی ہیں:

۱۔ اس دور میں صحابہؓ اور تابعین حضرات نے باقاعدہ علم کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور مختلف شہروں میں اپنے حلقہ ہائے درس قائم کیے۔ دیگر علوم مثلاً قرآن، حدیث تفسیر اور فقہ کی طرح سیرت و مغازیٔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم و تدریس کے لیے باقاعدہ درس گاہیں قائم کی تھیں۔ ان درس گاہوں سے فارغ التحصیل سیرت نگاروں نے سیرت اور مغازی پر ایسی

۱۔ ابن عبدالبر، یوسف بن عبداللہ القرطبی، الدرر فی اختصار المغازی والسیر: ص ۳۹

کتب لکھیں، جو بعد کے سیرت نگاروں کے لیے امہاتِ کتب قرار پائیں۔

عاصم بن عمر بن قتادہ علمِ مغازی میں ماہر تھے۔ انہیں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے حکم دیا تھا کہ وہ دمشق کی جامع مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے مغازی کی تعلیم دیا کریں۔ چناں چہ انہوں نے جامع دمشق میں سیرت ومغازی کا حلقہ درس قائم کیا۔(۱)

امام زہری بھی سیرت ومغازی کی تعلیم دیا کرتے تھے۔ ان کے حلقہ درس سے فارغ التحصیل لوگوں میں موسیٰ بن عقبہ، معمر بن راشد اور محمد بن اسحاق شامل ہیں۔ موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق نے سیرتِ رسول اللہ ﷺ پر باقاعدہ کتب تالیف کیں۔ معمر بن راشد کے سیرت ومغازی سے متعلق بہ کثرت اقتباسات ابن سعد اور واقدی کی کتابوں میں موجود ہیں۔

ابنِ سعد نے مغیرہ بن عبدالرحمٰن کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے مغازی کی تعلیم ابان بن عثمان سے حاصل کی تھی۔(۲)

۲۔ اس دور کے ابتدائی سیرت نگار مثلاً عروہ بن زبیر، وہب بن منبہ، عبداللہ بن ابوبکر، عاصم بن عمر بن قتادہ اور معمر بن راشد وغیرہ اسناد کی اتنی پابندی نہیں کرتے تھے۔ عروہ بن زبیر اور وہب بن منبہ کے دور تک تاریخی واقعات کو اتنا عرصہ نہیں گزرا تھا۔ واقعات کے عینی شاہدین، یعنی کچھ صحابہ کرامؓ بھی ابھی زندہ تھے۔ لہٰذا اس دور میں اسناد کی اتنی ضرورت بھی نہیں تھی، لیکن دوسری صدی ہجری میں اسناد کی ضرورت بڑھ گئی تھی۔ اس دور کے تمام محدثین نے اسناد کا التزام کیا، لیکن سیرت نگاروں نے روایات کے بیان میں اسناد کی اتنی پابندی نہیں کی، جتنی کہ محدثین نے کی۔

جوزف ہوروؤتس کے مطابق:

> وہب بن منبہ اور شرحبیل بن سعد کے بارے میں آتا ہے کہ وہ اسناد کا التزام نہیں کرتے تھے۔ ابنِ سعد کے اقتباسات سے معلوم ہوتا ہے کہ عاصم بن عمر اکثر اپنی اسناد بیان کرتے، لیکن کبھی انہیں نظر انداز بھی کرجاتے ہیں۔ عبداللہ بن

۱۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج۵، ص۲۱۶۔ ابن حجر، تہذیب التہذیب: ج۵، ص۵۰

۲۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج۵، ص۱۰۸

ابوبکر نے بھی بعض روایات میں راویوں کا ذکر نہیں کیا۔(۱)

۳۔ پہلی صدی ہجری تک سیرت و مغازی سے متعلق روایات کو خاص سیرت ہی کے موضوع کے تحت جمع کرنے کا التزام نہیں تھا، بل کہ محدثین اور مفسّرین نے احادیثِ احکام اور تفسیری روایات کے ساتھ سیرت و مغازی کی روایات کو بھی جمع کیا۔ مثلاً عروہ بن زبیر محدث بھی تھے اور سیرت نگار بھی۔ ان سے ہر طرح کی احادیث مروی ہیں، لیکن دوسری صدی ہجری میں سیرت نگاری نے دیگر علوم کی طرح مستقل ایک علم اور فن کی حیثیت اختیار کر لی۔ علمِ سیرت و مغازی میں تخصّص رکھنے والوں کے لیے امتیازی لقب ''صاحب السیر والمغازی'' استعمال ہونے لگا۔(۲) چناں چہ موسیٰ بن عقبہ اور ابنِ اسحاق کی شہرت سیرت نگاری میں تخصّص کی وجہ سے ہے۔

۴۔ اوّلین سیرت نگاروں میں سے عروہ بن زبیر کا جو مجموعۂ مغازی ہم تک پہنچا ہے، اس کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عروہ نے واقعات کی ترتیب میں تاریخی تسلسل کا لحاظ رکھا تھا۔ یعنی وہ آغازِ وحی کے بعد دعوتِ اسلام ابن الندیم نے ابن اسحاق کو ''صاحب السیرۃ'' کہا ہے۔(۳)

علامہ ذہبی نے ابومعشر السندی کے بارے میں لکھا ہے: ''الفقیہ صاحب المغازی''(۴)
ہجرتِ حبشہ اور ہجرتِ مدینہ کا ذکر کرتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کو بھی انہوں نے تاریخی ترتیب سے بیان کیا ہے۔

عبداللہ بن ابوبکر کے بارے میں جوزف ہورووٹس لکھتے ہیں:

فنِ تدوینِ مغازی میں ان کی اہمیت صرف اس وجہ سے نہیں ہے کہ انہوں نے

۱۔ جوزف ہورووٹس، المغازی الاولیٰ: ص ۸۶

۲۔ ابن قتیبہ نے عاصم بن عمر کے لیے ''صاحب السیر والمغازی'' کا لقب استعمال کیا ہے۔ المعارف: ص ۲۰۵

۳۔ الفہرست: ص ۱۴۸

۴۔ تذکرۃ الحفاظ: ص ۲۳۵

بس اخبار جمع کیے، بل کہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اسے تاریخی ترتیب کے ساتھ مدوّن کرنے کی کوشش کی۔(۱)

ابنِ اسحاق نے بھی اپنی کتاب کو زمانی ترتیب کے ساتھ مربوط وار طریقے سے لکھا ہے۔ چناں چہ ان کی کتاب المغازی کے تین حصے تھے: المبتداء، المبعث، المغازی۔ یعنی کائنات کی ابتدا سے لے کر سابقہ انبیا کی تاریخ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آبا وٴ اجداد کا تذکرہ کرنے کے بعد رسول اللہ کی مکی زندگی اور بعد ازاں مدنی زندگی میں غزوات کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

۵۔ اس دور کے سیرت نگاروں نے زبانی روایات کے علاوہ تحریری دستاویزات کو بھی سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماخذ کے طور پر اپنی کتابوں میں جگہ دی۔ مثلاً عروہ بن زبیر نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصل خطوط، جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ حجر اور عبداللہ بن جحش کو ارسال فرمائے تھے، انہیں جوں کا توں اپنی کتابوں میں نقل کیا۔(۲)

عبداللہ بن ابوبکر کے بارے میں جوزف ہورووِٹس لکھتے ہیں:

انہوں نے اپنی لکھی ہوئی کتابوں اور دستاویزات کی طرف بھی توجہ دی، مثلاً وہ خط جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ملوکِ حمیر کو بھیجا تھا،(۳) یا وہ دستاویز جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے دادا حضرت عمر بن حزم کو ساتھ رکھنے کے لیے اس وقت دی تھی، جب انہیں اہلِ نجران کو اسلامی تعلیمات سکھانے کے لیے روانہ کیا تھا۔(۴)

۶۔ سیرتِ طیبہ کے ان اوّلین سیرت نگاروں نے نہ صرف سیرتِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

۱۔ جوزف ہورووِٹس، المغازی الاولیٰ: ص ۴۳

۲۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج۱، ص ۱۳۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک: ج۲، ص ۳۰۰۔ البلاذری، فتوح البلدان وفتوحھا وأحکامھا: ص۹۶

۳۔ طبری، تاریخ الامم والملوک: ج۲، ص ۵۸۲

۴۔ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج۱، ص۲۹۔ طبری، تاریخ الامم والملوک: ج۲، ص۶۔۷۔ البلاذری، فتوح البلدان: ص ۸۳

واقعات جمع کیے اور انہیں تاریخی ترتیب سے لکھا، بل کہ غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان غزوات میں شریک ہونے والے صحابہ کرامؓ کی فہارس بھی مرتب کیں۔ جوزف ہورووٹس لکھتے ہیں:

> عبداللہ نے غزواتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی فہرست تاریخی ترتیب کے ساتھ تیار کی تھی، جو ابنِ اسحاق نے اپنی کتاب میں درج کی ہے۔(۱)

ابنِ سعد نے طبقات کی تیسری اور چوتھی جلد میں موسیٰ کی کتاب سے وہ اقتباسات نقل کیے ہیں، جن میں ہجرتِ حبشہ کے شرکا، عقبہ دونوں بیعتوں کے شرکا اور جنگِ بدر کے مسلمان شرکا کی فہرستیں تھیں۔(۲)

تیسری اور چوتھی صدی ہجری کے سیرت نگاروں کی کتبِ سیرت کا جائزہ لینے کے بعد اس عہد کے فنِ سیرت نگاری کی درجِ ذیل خصوصیات معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ یہ دورِ فنِ سیرت نگاری کا دورِ عروج کہلاتا ہے۔ اس عہد میں چار سیرت نگاروں، یعنی واقدی ابنِ ہشام، ابنِ سعد اور ابن جریر طبری کو بہ طور خاص شہرت حاصل ہوئی۔ ان کی کتبِ سیرت، سلسلہ سیرت نگاری میں امہاتِ کتب کہلانے کی حق دار ہیں۔ بعد کے سیرت نگاروں کا بنیادی ماخذ یہی کتب ہیں۔ یہ کتابیں صحیح اور درست شکل میں ہم تک پہنچنے والی اوّلین سیرت کی کتابیں ہیں۔

۲۔ اس دور کے سیرت نگاروں نے سلسلہ اسناد کا خاص طور پر التزام کیا ہے۔ اسناد کی موجودگی کی وجہ سے ثقہ اور ضعیف رُواۃ اور اسی طرح صحیح اور ضعیف روایتوں کے درمیان بہ آسانی امتیاز کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ تاریخی واقعات ربط و ترتیب کے متقاضی ہوتے ہیں۔ اس دور کے سیرت نگاروں کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انہوں نے واقعات درج کرتے ہوئے نہ صرف تاریخی تسلسل کا خیال رکھا ہے، بل کہ ایک ہی موضوع کی متعدد روایات کو یک جا کر کے ایک نئی روایت بنا دیا۔ اور ان تمام روایتوں کے سلسلہ اسناد کو ایک ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ اس لیے کہ کچھ عبارتیں

۱۔ جوزف ہورووٹس، المغازی الاولیٰ: ص ۴۳

۲ محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ: ج ۲، ص ۳۰۱۔ ۳۰۳

اور کچھ واقعات تمام روایتوں میں مشترک ہوتے ہیں۔ان کا بار بار دہرانا لاحاصل ہوتا ہے۔ کچھ جزئیات ایک روایت میں ہوتی ہیں، دوسری میں نہیں ہوتیں۔ایجاز و اختصار کی غرض سے سیرت نگاری میں یہ طریقہ کارموزوں ہے۔

۴۔اس دور میں روایاتِ سیرت کی تہذیب و تنقیح بھی ہوئی ہے۔ابنِ ہشام کا اصل کارنامہ ہی یہی ہے کہ انہوں نے سیرت ابنِ اسحاق کی روایات کی کانٹ چھانٹ کر کے درست اور صحیح روایات کا انتخاب کیا ہے۔چناں چہ ابن ہشام نے واقعہ غرانیق کو حذف کر دیا ہے۔اسی طرح ابنِ سعد نے ''الطبقات الکبریٰ'' کی بہت سی روایات، واقدی کے حوالے سے لکھی ہیں، لیکن واقدی کی ''کتاب المغازی'' کی بہت سی روایات ابنِ سعد نے نہیں لکھیں، کیوں کہ ان روایات میں مبالغہ آرائی اور تصنع بہت زیادہ تھا۔

۵۔تیسری صدی ہجری کے اواخر تک سیرتِ نبوی ﷺ عالمی تاریخ کا ایک جزو بن گئی۔اس دور کے نامور مؤرخین نے تاریخِ عالم کا آغاز آدم سے لے کر اپنے عہد تک کے تمام واقعات کو اپنی کتبِ تاریخ میں جگہ دی۔ان تمام کتبِ تاریخ میں سیرتِ نبویہ ﷺ تاریخ کے ایک درخشاں باب کی حیثیت رکھتی ہے۔ان مؤرخین میں بلاذری (م ۲۷۹ھ)، یعقوبی (م ۲۹۲ھ) اور طبری (م ۳۱۰ھ) نے تاریخ عالم لکھتے ہوئے عہدِ نبوی کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ علامہ طبری کی ''تاریخ الامم والملوک'' میں سیرتِ نبویہ ﷺ کا بہت زیادہ مواد موجود ہے۔

۶۔اس دور میں سیرتِ نبویہ ﷺ کے دو اہم موضوعات پر علیحدہ کتب تحریر کی گئیں۔ یعنی نبی اکرم ﷺ کے اَخلاق و عادات اور آپ ﷺ کے معجزات کو بعض مصنفین نے اپنی کتب کا موضوع بنایا۔ چناں چہ شمائلِ نبوی ﷺ کے موضوع پر امام ترمذی کی کتاب ''الشمائل النبویہ والخصائل المصطفویہ'' کو اوّلیت کا شرف حاصل ہے۔

پانچویں صدی ہجری کے سیرت نگاروں کی کتب سیرت کا جائزہ لینے کے بعد اس عہد کے فن سیرت نگاری کی درج ذیل خصوصیات معلوم ہوتی ہیں۔

۱۔ پانچویں صدی ہجری میں سیرت نگاروں نے تیسری اور چوتھی صدی کے سیرت نگاروں کے طرز پر غزوات کو نمایاں نہیں کیا، بل کہ اس دور میں اکثر سیرت نگاروں نے غزواتِ نبوی ﷺ کو اختصار سے بیان کیا ہے۔ابنِ حزم کی ''جوامع السیرۃ'' اور ابن

عبدالبرؒ کی ''الدرر'' سیرت و مغازی پر اختصار سے مواد پیش کرتی ہیں۔ ابوسعید عبدالملک النیسابوری کی شرف المصطفیٰ ﷺ، سیرتِ نبویہ ﷺ پر ایک جامع تالیف ہے، جس میں مؤلف نے تمام مضامین کا احاطہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

۲۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں اسناد کی پابندی نظر آتی ہے، لیکن پانچویں صدی ہجری کی کتبِ سیرت میں اسناد کی پابندی مفقود نظر آتی ہے، چناں چہ ابنِ حزم، ابنِ عبدالبرؒ نے روایاتِ سیرت لکھتے ہوئے اسناد کی پابندی نہیں کی، بل کہ قال ابنِ اسحاق، قال الواقدی اور قال ابنِ سعد کے الفاظ سے روایات کا آغاز کیا ہے۔ عبدالمالک النیسابوری اور ابنِ عبدالبرؒ کبھی پوری سند ذکر کرتے ہیں اور کبھی سند مختصر کر دیتے ہیں۔